ان شعراء کے تذکرہ پر کیون اکتفا کی، جو وفات پاچکے ہین، حالانکہ موجودہ شعراء مین اچھے اور ممتاز شاعرون کی بڑی تعداد ہے، مثلاً پنڈت دتاتریہ کیفی، پنڈت جگموہن ناتھ شوق رام پرشاد کھوسلہ ناشاد، تلوک چند محروم، کرشن سہائے وحشی، شیام موہن لال جگر، اندرجیت شرما، پنڈت میلارام وفا، رگھوپتی سہائے فراق، انند نرائن ملا، بشیشر ناتھ منور، سورج نرائن مہر، اور سکھدیو پرشاد بسمل وغیرہ امید ہے کہ آیندہ اڈیشن مین اس فروگذاشت کی تلافی کردیجائیگی،

باغ نشاط از دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول تقطیع بڑی ضخامت، ۱۸۰ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت نفیس، قیمت مرقوم نہین، پتہ غالباً انڈین پریس الہ آباد سے ملے گی،

پنڈت رادھے ناتھ کول پرانی تہذیب کے ان باوضع ہندؤن مین ہین جس کے نمونے اب بہت کم باقی ہین، وہ پنجاب کے ایک قدیم کشمیری برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہین، جو علم و دولت دونون مین ممتاز رہا ہے۔ اب وہ الہ آباد مین متوطن ہوگئے ہین، اردو شاعری کا ذوق ان کو بزرگون سے ترکہ مین ملا ہے، وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہین، باغ نشاط ان کے کلام کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ظاہری اور معنوی دونون محاسن سے آراستہ اور دو حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین غزلین اور دوسرے مین قطعات مخمس، قصیدے تاریخین، اور دوسری اصناف شاعری ہین کلام کا عام رنگ عارفانہ اور اخلاقی ہے، غزلون مین بھی یہ رنگ نمایان ہے، اور دوسری اصناف کی نظمین تمامتر اخلاقی صوفیانہ، اور حکیمانہ ہین، خیالات کی متانت و سنجیدگی اور مشق کی پختگی کل نظمون مین مشترک ہے، اس اعتبار سے اس مجموعہ کو شاعری کے بجائے اخلاق و تصوف کی کتاب کہنا زیادہ موزون ہے، کتاب مین ہندوستان کے متعدد مشاہیر اور ادیبون کے قلم سے شاعر کے حالات اور اس کے کلام پر نقد و تبصرے ہین، امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحاب مذاق خصوصاً اردو کے بہی خواہون مین قدر کی نگاہون سے دیکھا جائے گا،

"م"

جلد ۵۸ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۶ء عدد ۲

مقالات

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۸۲ - ۸۴
مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟	سید سلیمان ندوی،	۸۵ - ۹۵
اسلامی نظریۂ سیاست	مولانا حیدر زمان صاحب صدیقی فاضل دیوبند پٹھان کوٹ،	۹۶ - ۱۲۰
رنج خوف وحزن،	ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ،	۱۲۱ - ۱۲۹
مثنوی گلزار نسیم کے ماخذ	جناب سید ظہور حسن صاحب رام پوری	۱۳۰ - ۱۳۹
سیام کے مسلمان	جناب طاہر دلاور حسین صاحب ناظم جمعیۃ الاسلام بنکاک، سیام،	۱۴۰ - ۱۴۲

ادبیات

سیل تخیل	جناب شفق جوالاپوری	۱۴۳
گلبانگ سرخوشی	جناب سید انور کرمانی،	۱۴۴
حشر جذبات،	جناب ثاقب کانپوری	〃

باب التقریظ والانتقاد

"مجمع فوائد الاول للغۃ العربیہ"	مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوہ،	۱۴۵ - ۱۵۴
مطبوعات جدیدہ	"م"	۱۵۵ - ۱۶۰

شذرات

فلسطین سے انگریزون کے اتنے مختلف اغراض وابستہ ہین، اور اس سے متعلق ان کے سامنے اتنے پیچیدہ مسائل ہین کہ اس کا حل ان کے لئے دشوار ہو گیا ہے، وہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بھی فلسطین کو نہین چھوڑ سکتے، اور یہودیوں کی دولت و ثروت، ان کے غیر محدود وسائل، ان کی قوت اور سینہ زوری اور امریکہ کے دباؤ سے بھی ان کی حمایت پر مجبور ہین، لیکن مجاہد عربون کا دبانا بھی آسان نہین ہے، انھین نظرانداز کر دینے سے نہ صرف فلسطین مین امن و سکون قائم نہین رہ سکتا، بلکہ سارے عرب ممالک مین انگریزون کے خلاف سخت برہمی پھیل جائے گی، اور عربون کی مخالفت سے مشرق وسطیٰ مین روسی اثرات کا خطرہ جو پہلے سے موجود ہے، زیادہ نازک صورت اختیار کرے گا، اس کے انسداد کے لئے مصر و سویز سے انگریزی فوجون کے ہٹنے کے بعد فلسطین ہی مین مورچہ قائم کیا جا سکتا ہے، شرق اردن کی "آزاد حکومت" کو آزادی کی سند بھی اسی غرض کے لئے دی گئی ہے،

———

ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے برطانوی اور امریکی ماہرین کی کمیٹی نے سفارش کی ہے، کہ فلسطین کو عرب اور یہودی صوبون مین تقسیم کر کے ان کا وفاق قائم کیا جائے، اور مرکز مین انگریزون کی زیر نگرانی ان کی اور عرب و یہودیون کی مشترک حکومت ہو، گو ابھی یہ صرف سفارش ہے، لیکن یقین ہے کہ رسمی کارروائیون کے بعد انھی بنیادون پر فلسطین کا مسئلہ حل کیا جائے گا،

———

اس سے قطع نظر کہ فلسطین جیسے چھوٹے علاقہ کی تقسیم جو مشکل سے ہندوستان کے ایک ضلع کی برابر ہے، اور وہان وفاقی حکومت کا قیام کہان تک مناسب ہے، یہ تجویز عربون کے مفاد کے سراسر خلاف ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ فلسطین مین امریکہ اور برطانیہ کی زیر نگرانی یہودی

ریاست کی بنیاد قائم کر کے عربون کی قوت کمزور کر دی جائے، چنانچہ مجوزہ دستور مین اصل اختلافی مسئلہ یعنی فلسطین مین یہودیون کے داخلہ کو مستقل کر دیا گیا ہے، اس بارہ مین وفاقی حکومت کے اختیارات حسب ذیل ہون گے :-

"مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی مرضی کے خلاف یہودیون کے داخلہ کے معاملات مین دخل نہ دے گی، اور اتنے ہی یہودیون کے داخلہ کی اجازت دے گی، جتنی کہ صوبائی حکومت خواہش کرے گی، عرب صوبہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے صوبہ مین یہودیون کو نہ داخل ہونے دے، لیکن یہودی صوبہ کو عام حالات مین اختیار ہوگا، کہ وہ جتنے یہودیون کو چاہے اپنے صوبہ مین داخلہ کی اجازت دیدے"

ہاؤس آف کامنس کے لیڈر اور موجودہ قائم مقام وزیر اعظم ہربرٹ مارین نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ

"صوبائی خود مختاری کی اس تجویز کے ذریعہ فلسطین مین یہودی مہاجرین کا داخلہ بہت آسان ہو جائے گا، گو داخلہ کی نگرانی مرکزی حکومت کرے گی، لیکن اس نگرانی کی بنیاد صوبائی حکومت کی سفارش پر ہوگی، اور جہان تک صوبہ کے معاشی حالات ان کی اجازت دین گے وہان تک مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی سفارش پر عمل کرے گی"

———

گویا اس مجوزہ دستور مین یہودیون کے داخلہ کو باضابطہ قانونی شکل دیدی گئی ہے، اس لئے کہ یہودیون کو اپنے صوبہ مین اپنے ہم جنسون کو آباد کرنے کا پورا اختیار ہوگا، مرکزی حکومت گو بظاہر عرب یہود اور انگریزون مین مشترک ہوگی، لیکن درحقیقت انگریزون کی نگرانی مین ہوگی، یہودیون کی دولت اور ثروت کے سامنے معاشی مشکلات کا سوال ہی نہین پیدا ہو سکتا، اس لئے اس دستور کی رو سے یہودیون کے لئے فلسطین کا دروازہ بالکل کھل جائے گا، اور اس وقت جو تھوڑی بہت رکاوٹ ہے وہ بھی جاتی رہیگی،

———

اسی کے ساتھ عربون کے پھانسنے کے لئے زرین دام اگ بچھایا جا رہا ہے، چنانچہ اینگلو امریکی کانفرنس نے عرب ممالک کی ترقی کی اسکیمون کو عملی جامہ پہنانے کے ذریعہ نام سے امریکہ کی حکومت نے

تیس لاکھ ڈالر کی سفارش کی ہے، جس مین سے پچیس لاکھ عربی ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے بطور قرض دیئے جائین گے، اور پانچ لاکھ کا عطیہ خالص فلسطین کے عربون کی فلاح وبہبود پر صرف کیا جائے گا، یہ گویا فلسطین کی قیمت ہے، لیکن عرب اس قسم کی امداد واعانت کے نتائج بہت بھگت چکے ہین، اب وہ اس فریب مین نہین آسکتے،

فلسطین کے مسئلہ کے حل کی اس کے سوا کوئی صورت نہین ہے، کہ اسے عربونکا وطن مان کر یہودیون کا داخلہ بالکل بند کردیا جائے، اب دنیا کے حالات ایسے ہین، کہ برطانوی شہنشاہیت کو نہ فریب سیاست بچاسکتا ہے، نہ امریکہ کی امداد واعانت اور نہ یہودیون کا سرمایہ، اگر کسی شکل مین برطانوی حکومت کا وجود باقی رہ سکتا ہے، تو صرف سچائی اور اخلاص کے ساتھ دوسری قومون اور ملکون کے اعتماد کے ذریعہ،

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شائع کردہ ایک پمفلٹ سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اس کی زیر نگرانی ادارہ تحقیقات علوم اسلامیہ کا قیام عمل مین آگیا، اس کی مجلس انتظامیہ بھی بن گئی ہے، کانفرنس نے ادارہ کے کامون کی ابتدا کے لئے اس سال کے بجٹ مین دس ہزار کی رقم منظور کی ہے، سات ہزار کتابون کا ایک کتبخانہ اور نادر قلمی کتابون کا معتدبہ ذخیرہ بھی فراہم ہوگیا ہے، لیکن ادارہ کے پیش نظر جو عظیم الشان کام ہین، اُن کے لئے یہ رقم کوئی حقیقت نہین رکھتی، اس لئے اس کے محترم صدر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے قوم سے پانچ لاکھ کی اپیل کی ہے،

ادارہ مذکور بشرطیکہ اپنے مجوزہ نقشہ کے مطابق قائم ہوجائے، مسلم یونیورسٹی میڈیکل کالج سے کم اہم نہین ہے، جس قوم نے اس کے لئے دو سال کے اندر پچاس لاکھ کی رقم مہیا کردی کیا وہ پانچ لاکھ کی رقم ادارہ کے لئے فراہم نہین کرسکتی، اگر اس کے لئے بھی پوری جدوجہد کی جائے، تو یہ رقم آسانی کے ساتھ چند دنون مین جمع ہوسکتی ہے، لیکن صرف اپیل سے کام نہین چل سکتا، یہ دیکھ کر البتہ تعجب ہوا کہ ارکان انتظامی کی طویل فہرست مین علوم اسلامیہ کے ماہرین کے صرف دو چار ہی نام ہین اور اگر دینی علوم کو بھی علوم اسلامیہ مین شامل سمجھا جائے، تو یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے،

مقالات

مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟

مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴ھ مین پیدا ہوئے، اور ۱۱۳۳ھ مین دلی مین وفات پائی، ان کو طاہر نصرآبادی نے اپنے تذکرہ مین جس کو اس نے ۱۰۸۳ھ مین بیدل کی زندگی مین ایران مین بیٹھ کر ترتیب دیا لاہوری لکھا ہے،

بندرابن خوشگو جس نے بیدل سے ان کی آخر زندگی مین دلی مین بارہا ملاقاتین کی ہین، ان کو اکبرآبادی الوطن لکھا ہے، میر غلام علی آزاد نے جو بیدل کی وفات کے وقت ۸ برس کے تھے، اور جن کے سامنے خوشگو کا بیان موجود تھا،[۱] اپنے تینون تذکرون، ید بیضا، سرو آزاد و خزانۂ عامرہ مین ان کی جاے پیدایش تصریح کے ساتھ پٹنہ عظیم آباد لکھی ہے، سب سے عجیب بیان مجموعۂ نغز کے مصنف میر قدرت اللہ قاسم کا ہے، جس نے اپنا تذکرہ ۱۲۲۱ھ مین ختم کیا ہے، اس نے بیدل کو بخاری المولد بتایا ہے، علی قلی ہدایت نے جس کا تذکرہ ریاض العارفین ۱۲۶۰ھ مین ترتیب پایا ہے، ان کو دہلوی لکھا ہے،

ان بیانات پر نظر ڈالنے سے بیدل کے مولد ومنشاء کی تعیین مین بڑا اختلاف نظر آتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے مختلف حصون مین مختلف شہرون مین اقامت پذیر رہے، اس لئے ہر ایک نے ایک مقام کی طرف انھین منسوب کردیا، بخاری المولد کہنا البتہ صحیح نہین ہے، کہ وہ ان کے آباواجداد

---

[۱] اورینٹل لائبریری پٹنہ مین سفینۂ خوشگو کا جو نسخہ ہے وہ آزاد بلگرامی کی ملک مین رہ چکا ہے، اس پر ان کے دستخط ثبت ہین،

کا مولد ہو تو ہو مگر ان کا تو قطعاً نہین، نصر آبادی کے اس بیان کی کہ بیدل لاہوری تھے، خوشگو نے اپنے سفینہ مین اسی زمانہ مین تردید کر دی تھی لیکن خود خوشگو کا یہ بیان کہ بیدل اکبر آبادی الوطن تھے، اس تصریح سے خالی ہے کہ اکبر آباد ان کی جاے پیدایش بھی تھی، ہو سکتا ہے کہ ان کے بزرگون نے ترکستان چھوڑنے کے بعد اکبر آباد کو وطن بنایا ہو لیکن بیدل کی پیدایش وہان نہین ہوئی، کیونکہ ہر موطن کا مولد ہونا ضروری نہین، ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے، کہ بیدل کا مولد و منشا صوبہ بہار تھا جس کا دار الحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، اور ہے، اس دعوی کی شہادت مین اولاً میر غلام علی آزاد جیسے محقق کا بیان ہے جس نے تین تین جگہ اس کی تصریح کی ہے، ثانیاً خود بیدل کے اشارات ہین جن سے قیاس مین یہی آتا ہے، کہ ان کا مولد و منشا، یا کم از کم ان کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی مین گذرا ہے، چنانچہ میر غلام علی آزاد ید بیضا مین لکھتے ہین :-

"اصلش از قوم ارلاس[1] در بلدۂ پٹنہ متولد شد و بہندوستان نشو و نما یافت"

سرو آزاد مین ہے :-

"از نژاد قوم ارلاس است، در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از نہان خانۂ عدم بشہرستان وجود خرامید و در ہندوستان نشو و نما یافت"

خزانۂ عامرہ کی عبارت یہ ہے :-

"اصلش از گروہ ارلاس در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از شبستان عدم بہ صبح کدہ ہستی در رسید و در بلاد ہندوستان نشو و نما یافت، و در بنگالہ بشیر بسری کرد"

عبد الوہاب افتخار نے بھی اپنے تذکرہ بے نظیر مین اپنے استاذ آزاد کی تقلید مین اُن کو عظیم آبادی کہا ہے،

بیدل کی کچھ جوانی کا اور بڑھاپے کا بڑا حصہ دہلی مین گذرا، اور وہین وفات بھی پائی، اس لئے

[1] ایک ترک قبیلہ،

اگر کسی نے انھین دہلوی کہا تو اعتراض کا موقع نہین ہے، بیدل بطریق سیاحت لاہور بھی جاتے رہے ہون، جیسا کہ بابا حسن ابدال ان کا جانا خود چہار عنصر مین ہے، جس کے راستہ مین لاہور پڑتا ہے، لاہور کا آخری سفر اپنی وفات سے دو سال پہلے کیا تھا، ۱۱۳۱ھ مین جب سادات بارہہ نے فرخ سیر کے ساتھ زیادتی کی تو بیدل نے اس کی تاریخ "سادات بوے نمک حرامی کردند" کہی، اور اس کی شہرت ہوئی، تو بیدل نے دہلی سے بھاگ کر لاہور عبد الصمد خان ناظم لاہور کے یہان پناہ لی، اور سال دو سال بعد سادات کے فتنہ کے فرو ہونے کے بعد پھر دہلی لوٹ آئے، اور وہین ۱۱۳۳ھ مین وفات پا کر اپنے گھر کے صحن مین مدفون ہوئے، اس بنا پر اگر ایران مین ان کے قیام لاہور کی خبر پہنچی، اور وہان کسی نے ان کو لاہوری لکھدیا، تو مغالطہ ہو سکتا تھا،

اصل اختلاف بیان خوشگو اور میر غلام علی آزاد کے درمیان ہے، اور دونون مصنفون کا زمانہ بھی قریب ہے، یعنی بیدل کی وفات کے وقت خوشگو ادھیڑ ہون گے، تو آزاد نوخیز، اس لئے ان دونون کے بیانات مین تطبیق یون ہو سکتی ہے، کہ یہ مان لیا جائے کہ خوشگو کے بیان کے مطابق بیدل اکبر آبادی الوطن اور آزاد کے بیان کے مطابق عظیم آبادی المولد تھے،

یہ بات کہ پٹنہ اُن کی جاے پیدایش تھی یا نہ تھی، خواہ مشتبہ ہی ہو لیکن اس مین کچھ شبہہ نہین، کہ انھون نے اپنا ایک اچھا خاصا زمانہ پورب کے شہرون اور قصبون مین گذارا، چنانچہ معتبر راوی خوشگو اپنے سفینہ مین رقم طراز ہے :-

"پس آنحضرت بطریق سیاحی رو بہ مشرق نہاد، عزیمت فرمودہ مدتے در حدود ممالک بنگ[2] و بہار و اُڑیسہ بآزادگی و بے تعینی بسر بردہ دشت و بیابان پیمودہ عجائب قدرت الٰہی تماشا نمود، اکثر از خصوصیات آن ہنگام در چہار عنصر نگاشتۂ قلم راست رقم اوست و ہم دران ایام بسیارے نعمت درویشی نیز نصیب او گردید، از آنجا بتکلیف پیر کامگار بہ ہندوستان رسیدہ چندے بہ بلدۂ

[2] بنگال،

اکبر آباد اقامت ورزید، و باز بدار الخلافہ شاہجہان آباد رسیدہ کنج عزلت گزید"

خوشگو کی اس عبارت سے ظاہر ہے، کہ بیدل ایک مدت تک پورب مین رہے، اس لئے اُن کا عظیم آبادی مشہور ہونا بے اصل نہین ہے، اب ہم ان کی کتاب چہار عنصر سے ان شہرون کا پتہ لگاتے ہین، جہان جہان ان کا قیام رہا یا ان کی آمد و رفت رہی، اور اس سلسلہ مین خود ان کے کچھ ذاتی حالات بھی زیر قلم آئین گے،

بیدل صوفی منش اور مشائخ اور بزرگون کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے، ان کی تصنیفات مین چہار عنصر ان کے صوفیانہ ذوق و شوق اور نکتہ شناسی اور بزرگون کی ملاقاتون اور باتون کے تذکرون سے معمور ہے، بیدل کے والد قادری المشرب تھے، اور حضرت قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت سے فیضیاب تھے، اور عجب نہین کہ انھون نے اپنے بیٹے کا نام عبد القادر اسی مناسبت سے رکھا ہو، بیدل لکھتے ہین،

"یقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود (ص ۳۰۱)

بیدل کے چچا مرزا قلندر بھی اسی چشمہ سے فیضیاب تھے،

"مرزا قلندر عم من از نسبت ہم خوانگیش کلاہ مباہات، بر عرش عزت می سود آوازۂ سلسلۂ قادریہ از رسائی قدرتش شہرۂ گردون کمندے و پایۂ مدارج سلوک باستقامت ہمتش مفتخر سربلندی (ص ۳۰۱)

بیدل کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا، باپ کا انتقال تو ان کے بچپن مین ہو چکا تھا، مگر چچا کا سایہ مدت تک اُن کے سر پر رہا، اور انہی کی تربیت مین پل کر جوان ہوئے اس لئے سپاہیانہ اور صوفیانہ ذوق ترکہ

---

[1] کتاب مذکور نولکشور لکھنؤ مین چھپی ہے،

مین پایا، بیدل نے اپنے چچا کی شہزوری اور پرخوری ص ۳۳۳، اور اپنی شہسواری ص ۳۲۴ کے اور خوشگو نے اپنے سفینہ مین بیدل کی پرخوری کے واقعات لکھے ہین، جوانی مین اپنے صوفیانہ ورع و تقویٰ کی پردہ داری کے لئے سپاہیانہ ملازمت کا پیشہ اختیار کیا،

"ناچار تتبع سنت آبا گردیدہ طریقۂ سپاہ گزید، تا طبیعت بہیچ خورسند از آفات تعین و رع چندے در سایۂ تیغ امان داشتہ باشد، در حجم غرور تقوی بسر داری، این وضع دامن ناموس بے تعینی نخراشد (ص ۲۳۰)

بیدل کو بچپن سے تعویذ و عملیات کا شوق تھا، اور اسی راہ سے وہ تصوف کے کوچہ سے آشنا ہوئے اور گو وہ موروثی طور سے قادری تھے، مگر اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے ان پر نقشبندیت اور مجددیت کے اثرات غالب معلوم ہوتے ہین، وہ اپنی نثر و نظم مین جو نکتے بیان اور جن حقیقتون کو ظاہر کرتے ہین، وہ تمام تر وحدت شہود، ظہور اسماء، وصفات تعین، بے تعینی، فنا، تجرد، استغنا، کے مضامین ہین، جو ان کے اشعار و نکات مین جا بجا آتے رہتے ہین،

بہر حال سپاہیانہ طور سے مختلف صوبون مین ملازمت کے خیال سے یا تجرد کے عالم مین بزرگون سے ملاقات کے شوق مین وہ مختلف شہرون مین پھرتے رہے ہین، ان کی مسافرت کا مغربی سلسلہ چہار عنصر کے نقص سے بابا حسن ابدال کے قصبہ پر جو پشاور کے قریب واقع ہے ختم ہوتا ہے، یہان اُن کے فیض ملقین سے ایک جوگی جو وحدت شہود کے مسلک مین ان کا ہم عقیدہ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو کر اسلام لایا، اور ان کی سیاحت کا مشرقی نقطہ اڑیسہ کا شہر کٹک ہے، جہان اس زمانہ مین نواب یعقوب چرخی کے پوتے خانزادہ سید محمود صوبہ دار تھے (ص ۳۴۹)

بیدل کے سفر کے مقامات مین مغرب مین بابا حسن ابدال اور پورب مین اڑیسہ کے علاوہ زیادہ تر دہلی اور بہار کے شہر اور قصبے ہین، متھرا اور بندرابن مین کئی سال رہے ہین، اکبر آباد آتے گئے ہین، اور بہار

کے مختلف شہرون مین اُن کی آمد و رفت رہی ہے، مگر ان تمام مقامات پر استفصار کی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچپن سے جوانی تک ان کا تعلق زیادہ تر بہار سے رہا اور جوانی سے بوڑھاپے تک اور اخیر زمانہ دہلی مین گذرا،

اوپر گذر چکا کہ ان کے والد اور چچا قادری المشرب صوفی تھے، مگر یہ فیض ان کو بہار ہی مین ایک شیخ وقت سے حاصل ہوا، بیدل نے عنصر اول مین اپنی ظاہری و باطنی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح بیان کیا ہے:-

"وہ بچہ ہی تھے، کہ ان کے والد نے وفات پائی، ماں نے اپنے بچہ کو چھٹے سال چھٹے مہینے (رجب) مین پڑھانے کو بٹھایا، دسوین برس کی عمر مین قرآن پاک ختم کر کے فارسی نظم و نثر اور عربی صرف و نحو کی کتابین تمام کین، اور یہی ان کی رسمی تعلیم کی آخری حد ہے، اس کے بعد جو کچھ پایا وہ علم فطرت کی تعلیم کا نتیجہ ہے (ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱)"

اس ظاہری تعلیم کے اختتام کے بعد ہی، وہ صوبہ بہار کے ایک بزرگ شاہ کمال قدس سرہٗ کی خدمت مین پہنچ گئے، جو ان کے والد اور چچا کے پیر تھے (ص ۳۰۱)

"اکنون از کمال تعلیمی اساتذہ معنوی کہ بر جمال توجہ شان نسخہ آرائے تفاصیل حقائق است، سطرے چند می نگارد و ذکر صحبت فیض منقبت ایشان از مغتنمات توفیق بیان می شمارد، استفادہ صحبت صافی گوہر دریائے یقین، رونق انجمن شرع مبین، ہادی عالم فیض، توفیق خضر، سرچشمہ رمز تحقیق، آئینہ حقائق تمثال، مولانا شیخ کمال کہ تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود، مرزا قلندر عم من از نسبت ہم خرقگیش کلاہ مباہات بر عرش عزت می سود آوازہ سلسلۂ قادریہ از رسائی تمدرتش مشتہر گردون گنبدی و پایہ مدارج سلوک باستقامت ہمتش مفتخر سربلندی، حقیقت اخلاق از آئینہ سیمائش چون نور از آفتاب روشن و معنی عظمت الٰہی سراپائش چون رفعت از افلاک مبرہن، ہم در آداب قواعد شریعت نسق زمانہ و ہم در علوم ارشاد طریقت استاد یگانہ ...... در ممالک بہار بہمین نگاہ ہدایت پناہ جمعے از وادی ضلالت در گذشتند و موصول سر منزل توفیق صلاح گشتند ......" (ص ۳۰۳)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیدل کے والد بزرگوار جو بیدل کے بچپن ہی مین جب وہ چھ برس کے بھی نہ تھے، وفات پا چکے تھے، اور ان کے والد حضرت شاہ کمال بہاری کے صحبت پروردہ تھے، اور ان کے چچا مرزا قلندر بھی جو بعد کو اپنے یتیم بھتیجے کے ولی تھے، انہی بزرگ کے خوشہ چین تھے.

یہ بزرگ کہان رہتے تھے، بیدل کے بیان سے صاف نہین معلوم ہوتا، مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرائے بنارس بہار مین ایک مقام تھا، یہان ان کا قیام تھا،

"سرائے بنارس کہ موضعے است از نواح ممالک بہار (ص ۳۰۰)

سرائے بنارس نام کا کوئی مقام مجھے ابھی تک معلوم نہین ہوا،

آگے چل کر لکھتے ہین :-

"مرزا قلندر را چندے در قصبہ رانی ساگر کہ بہمین توطن مولانا شیخ کمال افتخار مدینۃ الاولیا داشت، اتفاق اقامت بود ...... از بنارس تا رانی ساگر فرسخے بیش نبود" (ص ۳۰۰)

یہان چھپا ہوا بنارس ہے مگر غالباً صحیح سرائے بنارس ہے، جس کا ذکر پہلے گذرا، مرزا قلندر رانی ساگر جا کر شیخ کے پاس ہفتون مقیم رہتے تھے (ص ۳۰۴) رانی ساگر مین خوشنما تالاب تھا (ص ۳۰۳)

بیدل شیخ کمال کی صحبتون سے آغاز شباب ہی سے مانوس تھے، اور چچا کے ساتھ اس بارگاہ قدس مین پہنچتے تھے، اور ان کے معارف و حقائق سے بہرہ مند ہوتے تھے، (۳۱۵)

رانی ساگر صوبہ بہار مین آرہ شاہ آباد سے اٹھارہ میل اور پٹنہ سے پچاس ساٹھ میل پچھم اب بھی آباد ہے، اور تالاب بھی موجود ہے، یہی وہ مقام ہے، جہان بیدل کے باپ اور چچا نے تلقین کا فیض پایا، اور بیدل

کے دل و دماغ نے وہان سے آبیاری پائی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بیدل کا مولد اگر پٹنہ نہ بھی ہو توان کا منشا یعنی ان کی ابتدائی نشو ونما کی جگہ بہار ہی کا کوئی مقام ہے۔

شاہ کمال صاحب قدس سرہ سے ایک اور ملاقات کا ذکر بہار کے قصبہ آرہ مین جواب ضلع ہے، بیدل نے کیا ہے،

"دراثنائے کہ قصبہ آرہ اتفاق متکدہ امرِ اتفاقی بود، ادیم افسر زمین بسبیل قدمش رائحہ سعادت می اندوخت" (ص ۳۱۹)

دوسرے حلقۂ شوق کے ساتھ مرزا قلندر بھی شاہ صاحب کے ہمرکاب تھے،

"خصوص مرزا قلندر کہ درہرِ بن موے زبانے داشت، مرہون ستایش کمالش، و در ہر جنبشِ نفس بیانی مصروف تذکرہ احوالش (ص ۳۱۹)

سنہ ۱۰۶۸ھ مین جس سال شاہ شجاع نے شاہ جہان کی بیماری کے زمانہ مین بنگال اور بہار مین اپنی سلطنت کا علم کھڑا کیا، بیدل پٹنہ مین یا پٹنہ کے پاس ہی کہین مقیم تھے، اوس زمانہ مین اس ملک کی جو کیفیت تھی، اور آس پاس کے راجے اور زمیندار جس طرح ملک مین ہنگامہ برپا کر رہے تھے، اور اس سے ملک مین جو بدامنی پیدا ہو رہی تھی، اور راستے جیسے خطرناک ہوگئے تھے، اس کا پورا حال عنصر چہارم مین کئی صفحون مین لکھا ہے، اور صوبہ بہار و پٹنہ کا حال جس طریقہ سے لکھا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صوبہ سے پوری طرح آشنا تھے، اور یہان کے نہ صرف شہرون بلکہ گاؤن سے بھی واقف تھے، بلکہ کہین کہین جا کر رہے بھی تھے، لکھتے ہین،

"سالے کہ شاہ شجاع بن شاہ جہان بیماری پدر راسکۂ مضمون سلطنت اندیشیدہ از خطۂ بنگالہ تا سرحد ممالک بہار...... و از انجملہ تسخیر نواح ترہت کہ شمالی حدود پٹنہ ملکے است عظیم در کوہستانی مشتمل بر چندین عقبات (ص ۵۵۱)

شاہ شجاع کی طرف سے بیدل کے چچا مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا عبد اللطیف ترہت مین فوج کے افسر تھے، (ص ۵۵۱) بیدل بھی ترہت مین کہین رہ نورد تھے، ایک مقام پر پہنچے، جس کا نام چاند چور بتایا ہے، اور وہان کے عجائبات خیالی کا ایک واقعہ حوالۂ قلم کیا ہے (ص ۵۵۴) اور آخر وہ کسی طرح،

"بسواد امن آباد پٹنہ رسید" (ص ۵۵۴)

ایک اور موقع پر پٹنہ کا ذکر کرتے ہین،

در بلدہ پٹنہ دفاق معارف آتفاق مرزا ظریف (ص ۵۵۵)

پٹنہ سے پچاس ساٹھ کوس دریائے گنگا کے اوس طرف مظفر پور اور مو تیہاری کے بیچ مین نسی نام ایک قصبہ تھا جواب بھی ہے، اس قصبہ مین بیدل کے چچا مرزا قلندر کبھی سکونت پذیر تھے، اور بیدل ان کے ساتھ تھے،

(ص ۵۶۲) سنہ ۱۰۷۰ھ مین جب شاہ شجاع کا ہنگامہ سرد پڑ رہا تھا، مرزا قلندر نے اسی نسی کے راستہ سے بنگال کا رخ کیا اور اپنا سامان و اسباب یہین چھوڑ دیا، (ص ۵۶۶)

نسی مین اس وقت کوئی بزرگ خواجہ شاہ محمد تھے، ان کے تابعون مین جان محمد تھے، انہی کے پڑوس مین مرزا قلندر کی سکونت تھی، (ص ۵۶۶)

اسی بدامنی کے زمانہ مین بیدل کو اس قصبہ مین جانے کی ضرورت پیش آئی (ص ۵۶۶) جمعیت کے بجائے تنہا ایک ملازم کو لیکر پا پیادہ چل پڑے، پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی، راہ مین بے حد تکلیف ہوئی، گنگا سے پار اتر کر تین کوس ہی گئے تھے، کہ تھک گئے، کسی طرح حبنا پور تک پہونچے، پھر تین کوس آگے چلے تھے، کہ بالکل بے بس ہو کر پڑ گئے، اتنے مین دیکھا کہ ایک پیر مرد ایک گھوڑی پر سوار سامنے آئے، اور قریب آکر بڑی گرمجوشی سے سلام کیا، اور اس تباہ حالی کے ساتھ سفر کا سبب دریافت کیا، بیدل کے وہ پرانے ملنے والے تھے، مگر بیدل ان کو پہچان نہ سکے، انھون نے کہا،

"من جان مخدوم از بابجان خواجہ شاہ محمد کہ در نسی بامرزا قلندر شش نسبت ہمسائگی دیوار بدیوار است" (ص ۵۶۶)

اُنھوں نے بڑے اصرار کے ساتھ بیدل کو اپنی گھوڑی پر سوار کیا، اور خود پیادہ ساتھ ہوئے اور دونوں نسی کی طرف چلے،

"ہنگام نماز عصر محمل تردد بسواد معمورۂ نسی رسید، بیرافت تجخیر بر دروازۂ خواجہ شاہ محمد ایستادہ بود" (ص ۵۶۶)

لوگوں کو بیدل کی آمد کی خبر ہوئی، تو سب خوش ہوئے،

"فردائے آن کہ پسران خواجہ برسم قدیم صحبت فقیر دریافتند" (ص ۵۶۹)

ان لفظوں کو پھر پڑھئے کہ خواجہ صاحب کے لڑکوں نے رسم قدیم کے مطابق بیدل سے ملاقات کی، اور صحبت رہی، رقعات بیدل کے آخر مین ایک رقعہ بہار کے کسی بزرگ کے نام کا ہے جس کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے،

"نعیم عیش صوبہ بہار مبارکباد قبلہ آرزوے بیدلان ہر چند عبودیت قدیم ہیچ جاے از ادائے خدمات سر بر نمی آرد"

ان اقتباسات اور حالات سے ظاہر ہوگا کہ بیدل کو صوبہ بہار سے موروثی تعلق تھا، اور اگر اس کو عظیم آبادی کہنے مین تامل ہو تو بہاری کہنے مین تو مطلق تامل نہین، اور اکثر قصباتی لوگ بہاری کے بجائے عظیم آبادی ہی کہلاتے ہین،

آخر مین عظیم آباد پٹنہ کے شعرا کی زبان پر بیدل کے متوطن عظیم آباد ہونے کی جو کہانی سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آتی ہے، ہم اس کو ذکر کرتے ہین، شاد عظیم آبادی اپنی تاریخ صوبۂ بہار مین جس کو انھون نے [illegible]ء مین لکھا ہے، لکھتے ہین :-

"مرزا عبدالقادر متخلص بیدل خاص عظیم آباد پٹنہ کے متوطن تھے، ناقدر دانی ابنائے روزگار کے سبب سے وطن کو چھوڑ کر عہد دولت شاہجہان مین دہلی گئے، اور وہان نہایت معزز و مکرم ہوئے، .... اگلے لوگون سے سنا ہے کہ مرزا محلہ پٹن دیوی مین رہتے تھے، لیکن ....

کسی تاریخ مین نہین دیکھا" (ص ۲۰)

چہار عنصر مین میری تلاش مین دو دفعہ اکبر آباد کا ذکر آیا ہے،

"در بلدۂ اکبر آباد منظور ابرار امیر کامگار کہ بدلیل سعادت ازلی اوقات گرامی مصروف خدمت فقراء داشت، و در احترامیکہ لائق حال این طائفہ است .... بحکم حسن اعتقاد فقیر را نیز ازین فرقہ تصور فرمودہ" (ص ۴۹۲)

دوسرا موقع :-

"تابستانے در گوشۂ ازز دوایاے اکبر آباد گرمی ہاے صحبت تنہائیم ابساط عافیتے پرداختہ بود" (ص ۵۴۹)

مگر اُن کے ان فقرون مین سے کسی سے بھی بوے وطن نہین آتی،

اسلامی نظریۂ سیاست

از

جناب مولانا حید رزمان صاحب صدیقی فاضل دیوبند پٹھانکوٹ

"موجودہ بین الاقوامی کشمکش اور عالمگیر بدامنی کے تین بڑے اسباب ہیں، ایک جغرافی
حدود اور نسلی اعتبار سے قوموں کی تقسیم اور ان میں باہم تفوق و برتری کا جذبہ، دوسرے
اخلاق و روحانیت سے محروم غیر عادلانہ نظام حکومت، تیسرے مختلف قوموں اور طبقوں
میں دولت کی غیر مساوی تقسیم، انہی خرابیوں نے دنیا کو امن و سکون سے محروم کر رکھا ہے.
بڑے بڑے عقلاء اور مفکرین امن عالم کی تدبیریں کرتے ہیں، لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوتی،
اور جب تک ان بنیادی خرابیوں کی اصلاح نہ ہوگی، دنیا کو امن و سکون نصیب نہیں ہو سکتا،
بہت سے مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس
مضمون میں بھی اسلامی سیاسیات پر بحث کی گئی ہے، ایسے مضامین میں عموماً یہ بے اعتدالی پائی جاتی
ہے، کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت
و سیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اسلام کا اصل مقصد توحید الٰہی،
ایمان و عمل، تزکیۂ اخلاق، اور تصفیۂ روح وغیرہ ہے، حکومت و سیاست تو اس کا ایک نتیجہ اور اسلامی
قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے جسے غلطی سے اصل قرار دیدیا جاتا ہے، گو یہ مضمون بھی الفاظ کی بے احتیاطی سے یکسر
پاک نہیں ہے، تاہم اس میں بڑی حد تک صحیح اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے"

اسلام کا تصور اجتماع

نفس جذبۂ اجتماعیت انسان کی اصل سرشت میں داخل ہے، اس لئے یہ کہنا کچھ
مشکل نہیں کہ جذبۂ اجتماع کسی جدید داعیۂ انسانی کی پیداوار نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک جزو لاینفک ہے،
یہ دوسری بات ہے کہ مختلف انسانی وحدتیں محرکات اجتماع و اتحاد کے اعتبار سے متضاد نظریے رکھتی ہیں،
ہر وحدت کا نظریۂ اجتماع دوسروں سے مختلف ہے، اور ہر نظریے میں ہر لمحہ تدریجی یا فوری تبدیلی کا امکان ہے،
کیونکہ جب سے انسان نے انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم اٹھایا، تدریجی طور پر اس کے تصور
اجتماع و اشتراک میں تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی، اجتماعیت کا ہر نیا دور پہلے دور کی نسبت وسیع تر ہوتا
چلا گیا، انسانی عقل و شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ حیات اجتماعی کے دائرے بھی بدلتے رہے، تاریخ
کے ابتدائی دور میں اجتماع و اتحاد کا تصور نہایت تنگ دائرہ میں محدود تھا، یعنی چند افراد کا ایک کنبہ بجائے
خود ایک مستقل وحدت شمار ہوتا تھا، دوسرے دور میں جب کہ علائق میں نسبتۃً توسیع پیدا ہوگئی، کنبہ سے آگے
خاندان کا تصور پیدا ہوگیا، جو پہلے دور کی نسبت اک گونہ وسعت رکھتا ہے، اسی طرز پر قبیلوی، علاقائی اور
وطنی تعلق کی بناء پر افراد انسانی کے تصور اجتماع و اتحاد میں پہلے کی نسبت توسیع ہوتی چلی گئی، نظریۂ اجتماع
کی یہ وسعت درحقیقت انسان کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور اس کے فکر و نظر کے تدریجی ارتقاء کا قدرتی ردعمل
(ری ایکشن) ہے، مگر اس کی تشخیص اور حد بندی میں انسان کے ذاتی عواطف، حب النفس اور غرض پرستی
کے مکروہ جذبات کو بہت بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جذبۂ اجتماع اپنے اثر و نتیجہ کے اعتبار سے دنیائے انسانیت
کے لئے ہمیشہ رنجیدہ ثابت ہوا ہے، اگر اس کے منشاء کی تحدید قانون قدرت کے ماتحت ہوتی، تو عالم انسانی
ان نامساعد واقعات و حوادث سے یقیناً محفوظ ہوتا،

قدرت الٰہی کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ اجتماعیت کے اس مقدس جذبہ کو رنگ و نسل کے امتیاز،
خاندانی اور قبیلوی عصبیت، لسانی اور ثقافتی اختلافات، وطنیت و قومیت کی تحدید اور امارت و غربت کی
طبقاتی تقسیم کے لئے وقف کردیا جائے، اور انہی بنیادوں پر افراد انسانی کی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ہو

اور پھر ان غیر فطری محرکات و دواعی کی بنا پر عالم انسانی کو ہزارہا طبقون مین تقسیم کر دیا جائے، یہانتک کہ ان خود ساختہ امتیازی خطوط کے نام پر جنگ و قتال کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے، غرض انسانون نے اجتماعیت کے مقدس جذبہ کو قدرت کی حدود و اقدار کے ماتحت استعمال نہین کیا، بلکہ اس کو ہوائے نفس کے خبث سے ملوث کر دیا،

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ فیاضی، شجاعت، اور تمام ایسی صفات انسان کے لئے مایۂ عز و شرف ہین، مگر ان کے غلط اور بے محل استعمال اور حدِ اعتدال سے متجاوز ہونے کی صورت مین یہی اعلیٰ صفات انسانی سوسائٹی کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہین، سرمایہ و دولت فی ذاتہ بری چیز نہین، لیکن اس کے ناجائز صرف مین ہزارہا ہلاکت آفرینیان پوشیدہ ہین؛ اسی طرح اجتماعیت کا داعیہ انسانی فطرت کا قدرتی نتیجہ ہے، مگر اس کے منشار کے تعیین و تحدید مین انسانی عقل نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے،

خالق ارض و سما نے جہان انسان کو پیدا کیا، وہان اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ارسال رسل اور انزالِ کتب کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ خدائے قدوس کا علم انسانی فطرت کے تمام داعیات کو محیط ہے، اور اسی کا بھیجا ہوا ضابطۂ حیات انسان کے انفرادی اور اجتماعی تقاضون کو پورا کر سکتا ہے، خود انسان کی کم مائگی اور بے بسی کا تو یہ حال ہے کہ وہ خود اپنے ہی نفع و نقصان اور سود و زیان سے آگاہ نہین، چہ جائیکہ وہ عالم انسانی کی اصلاح و بہبود کے لئے کوئی جامع دستور حیات مرتب کر سکے،

ما ہمہ بر ہو ظن و تخمین تو زبون کار حیات

گذشتہ جنگ و فساد اسی عقلیت محضہ کا نتیجہ ہے، جس نے عالم انسانی کو اضطراب و بدامنی کے جہنم مین ڈھکیل دیا،

وبالعقل تنجم الامور علی الحشا فالعقل عندی ان تزول عقول

اسلام جو ایک خدائی ضابطۂ حیات ہے، درحقیقت انسان کی طبعی حرکت کے نشو و نما، مفاد و فطرت کے انسداد و حیات انسانی کے متضاد قوی مین توازن اور نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے ایک قانون طبعی اور جامع دستور حیات ہے، اور اس کے اصول و نظریات اٹل، ناقابلِ تنسیخ اور غیر متبدل ہین، جب خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا کیا، تو اس کو زندگی بسر کرنے کے لئے ہدایت و رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت انسان اول کو ان الفاظ مین یقین دلایا گیا،

اما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون.

اس آیت مین "ھدیٰ" کا لفظ اسی نظریۂ حیات کے لئے استعمال ہوا ہے، جو اسلام کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور یہی سب سے پہلا اور آخری خدائی لائحہ عمل ہے،

مگر انسان کچھ ایسا جدت طراز اور غرض پرست واقع ہوا ہے، کہ وہ ہر چیز کو اپنے ذاتی مفاد کی عینک سے دیکھنا چاہتا ہے، کسی بات کے ذاتی حسن و قبح پر غور کرنے سے پہلے ہوائے نفس کی بارگاہ سے اجازت طلب کرنا ضروری خیال کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جذبۂ نفسانیت کسی ایسے امر کو پسند نہین کرتا، جس مین اس کے لئے کوئی سامان راحت و تعیش موجود نہ ہو، اور نہ کسی پابندی کو برداشت کر سکتا ہے، تا وقتیکہ اپنے لئے فرار کا کوئی راستہ متعین نہ کر لے، یا اس کو اپنے منشار کے مطابق نہ بنا لے، ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے، جب کہ انسانون مین ہوائے نفس کے جذبات رذیلہ ترتیب پا کر انتہا تک پہنچ جاتے ہین، یہانتک کہ خدا کے مقدس دین مین بھی، ردو بدل کر کے اس کو ہوائے نفس کے قالب مین ڈھال دیتے ہین،

فخلف من بعدھم خلف — ان کے بعد ایسے لوگ کتاب اللہ کے
ورثوا الکتاب یاخذون — وارث بنے جو متاع دنیا پر ٹوٹنے لگے،
عرض ھذا الادنی ویقولون — اور دعویٰ یہ کہ ہمین ضرور بخش
سیغفر لنا (اعراف - ۲۱) — دیا جائے گا،

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات (مریم - ۴)

ان کے بعد ایسے نااہل ناخلف پیدا ہوئے جنھون نے فریضۂ نماز چھوڑ دیا، اور خواہشات کی پیروی کرنے لگے،

ہر نبی کی آمد درحقیقت دین کے اخلاص اور تجدید و اصلاح کی غرض سے ہوتی ہے، اور دین مین غیر دین کی آمیزش سے جس قدر تحریف ہو جاتی ہے، نبی کا کام یہ ہے، کہ وہ اس کو ان آمیزشون سے منزّہ اور صاف کرکے دنیا کے سامنے پیش کرے، اور اس کو اپنے ماننے والون کے دلون مین اتار دے،

یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ

ان کو پاک کرتا، اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

یعنی تزکیۂ قلوب اور کتاب و حکمت کی تعلیم انبیا علیہم السلام کا فریضۂ حیات ہے،

نبی کی عظیم الشان اور مقدس شخصیت نظری اور عملی دونون قوتون کی حامل ہوتی ہے، انسانون مین فکری اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے اس کی پر اسرار صلاحیتین مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہین، اپنی دعوت حقہ سے دلون کی اقلیم کو حیرت انگیز طریقون پر فتح کر سکتا ہے،

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب

تنہا جہان بگیرد، بے منت سپاہی

یہانتک کہ بہت تھوڑے عرصہ مین وہ اپنے ساتھ ایک زبردست فعّال اور سراپا عمل جماعت پیدا کر لیتا ہے، اس جماعت کے افراد مین مابہ الاشتراک وہ نظریۂ حیات ہوتا ہے، جو نبی کے توسط سے اس کو ملتا ہے، یہی وہ وصف خاص ہے، جو اس کو دوسرون سے ممتاز کرتا ہے، اور اسی کو طبعی یا فطری داعیۂ اتحاد کا نام دیا جا سکتا ہے،

سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث کیا گیا جب کہ تمام عالم انسانی پر جہالت و غوایت کے گھٹا ٹوپ بادل چھا رہے تھے، ہر قوم اور قوم کا ہر فرد دین الٰہی سے کلیتہً بیگانہ ہو رہا تھا،

اور اس ساری کائنات مین خالص دین کا کہین نام و نشان تک نہین ملتا تھا، خدائی فلسفۂ اجتماع و سیاست اور صحیح طریق عبادت پر خود غرضی، جاہ پسندی اور ضلالت و گمراہی کے تہ در تہ پردے پڑے ہوئے تھے، حریت و آزادی، اور جمہوریت و مساوات کے نام سے بھی کوئی روشناس نہ تھا، ملوکیت و شہنشاہیت کا ہر طرف سکہ رواں تھا، غریب طبقے ملوکیت کے سفاک ہاتھون سے پامال ہو رہے تھے، اُس زمانہ کی کیفیت خود افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنئے،

وان اللہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اھل الکتاب وقال انما بعثتک لابتلیک وابتلی بک وانزلت علیک الکتاب لا یغسلہ الماء (اخرجہ مسلم عن عیاض بن حمار المجاشعی)

خدائے عز و جل نے اہل زمین پر نگاہ ڈالی تو اہل کتاب کے چند افراد کے سوا عرب و عجم سب کو (ان کی بد اعمالی کی وجہ سے) نگاہ غضب سے دیکھا اور فرمایا، مین نے آپ کو اس لئے مبعوث کیا ہے، کہ آپ کے صبر کا امتحان کرون، اور آپ کے ذریعہ دوسرے لوگون کا بھی اور مین نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے، جس کو پانی نہین دھو سکتا

الا بقایا من اھل الکتاب سے یہود و نصاریٰ کے وہ چند افراد مراد ہین، جو اس زمانہ مین بھی کتاب اللہ کی ہدایت پر قائم تھے، ورنہ اکثر اہل کتاب ضلالت و گمراہی مین مبتلا تھے، اس کے لئے قرآن کریم کی شہادت کافی ہوگی،

ولئن اتبعت اھوائھم بعد الذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر، [illegible]

اے نبی اگر آپ یہود و نصاریٰ کی تمنّا (جس کو قرآن کریم اہوا سے تعبیر کرتا ہے) کا اتباع کرین گے، تو خدا کے مقابلہ مین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قلیل عرصہ میں انسانی فکر و عمل میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، اور ایمانداروں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو ایمان و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ بنی جس نے اطراف عالم میں پھیل کر عظیم الشان فکری انقلاب پیدا کیا، اس طرح پر اسلام عرب سے اٹھا، اور کائنات انسانی کے دل و دماغ پر چھا گیا، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیادوں پر ایک نئی جماعت عالم وجود میں آگئی، جس میں بلا لحاظ ملک و نسب ہر خاندان، ہر قبیلہ اور ہر ملک کے انسان شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ یہ نئے طرز کی جماعت دنیا کی عظیم الشان قوم بن گئی، جو نظریۂ اجتماع و سیاست، اقتصاد و معیشت، تمدن و ثقافت اور مخصوص فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتی ہے،

ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین، (الآیہ)	تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ نے تمھارا نام مسلمان رکھا،

اسلام میں اجتماع و اتحاد کا تصور فلسفۂ مابعد الطبیعی ایک فکری اساس پر مبنی ہے، کسی جغرافی، قبلوی اور نسلی بنیاد پر نہیں، اور اسلام کی انقلابی دعوت حیات انسانی کے تمام فکری، ذہنی اور عملی قوی کو ایک مخصوص اور متعین شاہراہ عمل پر چلانا چاہتی ہے، اور اس کا منشا یہ ہے کہ رنگ و نسل کی تفریق، لسانی و ثقافتی امتیاز، امارت و غربت کی طبقاتی تقسیم اور مرز و بوم کی جغرافی حد بندیوں کے علی الرغم عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت اور بین الاقوامی جماعت میں تبدیل کر کے انسانوں کے خود ساختہ غیر فطری معیار تفوق و امتیاز کو کلیۃً ختم کر دے، نسلی اور قبیلوی برادریاں ایک عظیم الشان برادری میں گم ہو جائیں، وطنیت کی تحدید، زبان اور رنگ کا اختلاف اس اخوت عمومی کے راستہ میں حائل نہ ہو، اس عالمگیر برادری کا نام ہے وحدت اسلامی،

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان کی

نبوت وقتی اور کسی خاص خطۂ ارضی یا کسی خاص قوم کے لئے تھی، اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی عالمگیر اور جامع نظریۂ زندگی موجود نہ تھا، اور نہ کوئی بین الاقوامی حیثیت رکھنے والی جماعت یا قوم تھی، اس لئے قدرتی طور پر عالم انسانی کئی وحدتوں میں منقسم تھا، ہر وحدہ کی خصوصیات قومی، اور شعائر ملی جداگانہ تھے، اور پھر ان میں سے ہر ایک کے خود ساختہ طرز و طریق اور رسم و رواج نے ایک مستقل تفریق پیدا کر رکھی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے درحقیقت عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت میں تبدیل کرنے کی مہم کا آغاز ہوتا ہے،

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ،

مسند احمد بن حنبل میں ہے،

عن المقداد انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام بعز عزیز و ذل ذلیل اما یعزھم اللہ فیجعلھم من اھلھا او یذلھم فیدینون لھا قلت فیکون الدین کلہ للہ (اخرجہ احمد)	روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں رہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کو کلمۂ اسلام سے مشرف نہ کریں گے، باعزت طریقہ پر یا ذلت کے ساتھ، کسی کو عزت دیکر کلمۂ اسلام کا اہل بنا دے گا، اور کسی کو ذلیل کر کے اس کے آگے جھکا دے گا، راوی نے عرض کیا تو دین کل خدا کے لئے ہو جائے گا،

اسلام کی دعوت عمومی کا منتہائے نظر یہی ہے، کہ تمام چھوٹی بڑی وحدتیں کلمۂ اسلام کی اساس پر ایک عالمگیر وحدت میں تبدیل ہو جائیں، اور کائنات ارضی میں کسی دوسری وحدت کا وجود تک نظر نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ احادیث نبوی میں تمام افراد انسانی کو ایک ہی اخوت بشری کے اعضاء و ارکان

قرار دیا گیا ہے،

کلکم من آدم و آدم من تراب	تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے
(مشکوٰۃ)	پیدا ہوئے،

عن زید ابن ارقم کان رسول	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر کل	یہ دعا فرمایا کرتے، اے ہمارے اور ہر چیز
صلوٰۃ اللھم ربنا ورب کل شیٔ	کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں، کہ تو ہی
انا شھید انک الرب وحدک	رب ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب
اللھم ربنا ورب کل شیٔ انا شھید ان	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور
محمداً عبدک ورسولک اللھم ربنا	رسول ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب
ورب کل شیٔ انا شھید ان العباد	میں گواہی دیتا ہوں، کہ سارے انسان
کلھم اخوۃ (رواہ احمد و ابوداؤد)	بھائی بھائی ہیں،

اس حدیث میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ توحید و رسالت کی موکد شہادت کے بعد تیسرے درجہ میں اس عالمگیر اخوت انسانی کا تاکیدی اعلان کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کے تمام مابعد الطبیعی مسائل میں توحید و رسالت کے نظریے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان پر ہی اسلام کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے، یعنی اسلام کے تمام فکری اور عملی نظریے توحید و رسالت پر مبنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں سب سے پہلے توحید و رسالت کا اقرار کیا گیا ہے، اور اس کے بعد اسلام کی اخوت عمومی کا اظہار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وحدت انسانی کا نظریہ بھی اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے،

اس عالمگیر برادری میں وجہ اتحاد صرف رب العالمین کی معبودیت کا اعتراف اور اس کی غیر مشروط اطاعت ہے، اس کی ربوبیت عامہ پر یقین رکھتے ہوئے ارباب من دون اللہ سے علانیہ اظہار بیزاری کرتا ہے،

اور پھر ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان لانا ہے،

کونوا عباد اللہ اخوانا (بخاری)	اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی بنجاؤ،

قومیت و وطنیت کا تصور، رنگ و نسل کے امتیازی خطوط اور خاندان و قبیلہ کی عصبیت کو اس اخوت عمومی میں کوئی دخل نہیں، یہ مقدس برادری انسانوں کے بنائے ہوئے امتیازی تصورات سے بہت بلند ہے، مگر بدقسمتی سے انسان کی مصلحت کوشیوں اور غرض پرستیوں نے ہمیشہ اس میں رخنہ اندازی کی ہے، اور اس کو اپنے اغراض و مصالح کے تہ در تہ پردوں میں چھپا کر نوعِ انسانی میں غیر فطری حد بندیاں قائم کردیں، خود غرض اور طماع انسانوں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا، کہ تمام انسانوں کو مساوی طور پر زندہ رہنے کا حق دیا جائے، بلکہ انھوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ ہزار ہا بھولے بھالے انسانوں کے ہجوم پر ناجائز تسلط قائم رکھیں، اور ان کے جائز حقوق کو بے دردی کے ساتھ پامال کرتے رہیں، یہ طبقاتی نظام اجتماع ان درندہ صفت انسانوں کا پیدا کردہ ہے، جو اخلاق و انسانیت کے لئے باعثِ ننگ ہیں، جو اپنی حاکمانہ شان اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہزاروں ناکردہ گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، اور ارباباً من دون اللہ بن کر اپنی طرح کے انسانوں کو اپنے تخت جلال و جبروت کے سامنے جھکانے کے لئے سب کچھ کر گذرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں، جو سب سے پہلے ہر اصلاحی دعوت کے مقابلہ میں غرور و تمرد کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس کو کچلنے کے لئے اپنی تمام مادی طاقتیں وقف کر دیتے ہیں، سیم و زر کی تھیلیاں کھل جاتی ہیں، اور داعیان حق کو ڈرانے دھمکانے اور ایذائیں دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا، قرآن کریم ان سفاک اور ناپاک انسانوں کو مترفین کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے،

وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا	ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو
قال مترفوھا انا بما ارسلتم	وہاں کے خوشحال (دولت مند) لوگوں

بہ کافرون، (الآیہ) سے یہ کہدیا کہ تمھارے پیغام کو ہرگز تسلیم نہ کرین گے،

سرمایہ دارانہ نظام اجتماع اور اسلام

سرمایہ داری اگرچہ ایک جدید اصطلاح ہے، جو غریب اور دولت مند طبقون کے باہم طبقاتی نزاع و تصادم نے پیدا کی ہے، مگر جہانتک اس کے منشاء و مصداق کا تعلق ہے، یہ ایک نہایت پرانی حقیقت ہے،

نسل آدم مین جب اجتماع و تمدن کا ابتدائی شعور پیدا ہوا تو اس کے ساتھ ہی مختلف الطبائع انسانون مین نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے ریاست کا تصور بھی عالم وجود مین آگیا، اس کی ابتدا بھی ابتدائی اجتماعیت و مدنیت کی طرح نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے ہوئی تھی مگر آہستہ آہستہ اسی معصوم تصور ریاست نے خود غرضانہ ملوکیت، استبداد شخصی اور مطلق العنان آمریت کی شکل اختیار کر لی، اور اب یہ چیز برسر اقتدار افراد کے ذاتی خود غرضانہ دواعی اور ہوس اقتدار کی تکمیل کے لئے ایک ذریعہ بن گئی، چند افراد جو نسبتہً زیادہ مکار، خود غرض اور سیاست کار تھے، انھون نے دوسرے لوگون پر حاکمانہ تسلط قائم کر لیا، اور اپنی قوت و طاقت کے زور سے غریب طبقون کے ذرائع آمدنی پر بھی دست تطاول بڑھانا شروع کر دیا، یہان تک کہ انھون نے اپنے حاکمانہ وسائل کے بل بوتے پر زندگی کے ایسے ظالمانہ طرز و طریق ایجاد کر لئے کہ پس ماندہ طبقون پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، دراصل یہی چیز نظام سرمایہ داری کا بنیادی پتھر ہے، اور اس نے حیات انسانی کے مرتب اور منضبط اجزا مین بدنظمی اور بے ترتیبی پیدا کر دی ہے،

دراصل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد مین ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ان منتشر غیر منظم اور غیر منضبط اجزاء کی از سر نو شیرازہ بندی کرین، اور انسانون کی پیدا کی ہوئی غیر فطری طبقاتی تقسیم کو مٹا کر انسانون کو وحدت دینی مین شامل کر دین، جس مین ملک و نسب اور غربت و امارت کا کوئی امتیاز نہین، نظام سرمایہ داری کے پیدا کردہ رسم و رواج اور طرز و طریق کی جگہ اخوت و مساوات کے خدائی ضابطۂ عدل کے اجراء و نفاذ کی جد و جہد کرین،

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ — ہم نے رسولون کو بیّن دلائل کے ساتھ بھیجا
وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ — اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اتاری
لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید) — تاکہ لوگ ایک نقطۂ عدل پر کھڑے ہو جائین،

میزان کا لفظ ایک محسوس چیز (ترازو) پر اطلاق ہوتا ہے، مگر اس جگہ ایک غیر محسوس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، یعنی خدائی ضابطۂ عدل، کیونکہ یہ ضابطہ بھی مختلف انسانی طبقات اور حیات انسانی کے متفاوت اور غیر متوازن اجزا مین توازن قائم کرنے والا ہے،

اس آیت سے صاف ظاہر ہے، کہ انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد غیر مرتب اجزائے حیات مین ترتیب اور نظم پیدا کرنا ہے، مگر جو لوگ مطلق العنانی اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کے خوگر بن چکے ہین وہ کسی ایسی پابندی کو آسانی کے ساتھ کس طرح برداشت کر سکتے ہین، جس مین ان کو اپنے حاکمانہ اقتدار اور سرمایہ پرستانہ اغراض سے دست بردار ہو کر ان الحکم الا للّٰہ کی ابدی صداقت کے سامنے جھکنا پڑتا ہو، کیونکہ انسان کے لئے اور تو سب کچھ آسان ہے، مگر حاکمانہ اقتدار اور جاہ و حشمت کو از خود چھوڑ دینا سب سے زیادہ مشکل ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا نقطۂ آغاز ہی انسانی مراکز اقتدار و حکومت کو ختم کر کے قوت و اقتدار کے مرکز اعلیٰ یعنی خدائے واحد کے سامنے تمام انسانون کو جھکا دینا ہے، قبیلہ و نسب اور سرمایہ و دولت کے ناپاک بتون کو توڑ کر صرف احکم الحاکمین کی معبودیت کا اعلان کرنا ہے، یعنی انبیا کی تعلیمات کی اساس ہی یہ ہے کہ کسی انسان کو انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہین، اور کسی انسان کو یہ اختیار ہرگز نہین دیا جا سکتا، کہ وہ دوسرون سے اپنے احکام کی تعمیل کرائے، یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے؛

یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ — اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی
سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا — طرف آؤ جو ہم مین اور تم مین مساوی طور پر
اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا — مسلّم ہے، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت

یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ
نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، اور بجز اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے

قرآن کریم میں ہر ایسی غیر مسئول شخصیت کو جس کے احکام میں انتقاد کی گنجائش نہ ہو ارباب سے تعبیر کیا گیا ہے،

یہود نے احبار کو اور نصاریٰ نے رہبان اور پوپ کو یہی حیثیت دے رکھی تھی کہ ان کے احکام کو خواہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہی ہوتے، الہام ربانی کی طرح بغیر کسی نقد و جرح کے تسلیم کر لیا کرتے تھے

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابًا من دون اللہ (الآیہ)

اسی طرح قدیم یونانی بادشاہت اور روما کی جابرانہ ملوکیت عوام کے سامنے جوابدہ نہ تھی، اور ان کو بھی غیر مسئولانہ درجہ حاصل تھا، جاپان کا بادشاہ تہذیب و تمدن کے موجودہ دور میں بھی خدائی قوت کا حامل اور مافوق الفطرۃ شخصیت تصور کیا جاتا ہے، قرآن کریم ان تمام باطل طاقتوں کو اربابًا من دون اللہ سے تعبیر کرتا ہے، کیونکہ اسلام میں یہ منصب صرف احکم الحاکمین کو ہی حاصل ہے اور پھر تبعیت کے طور پر اس کے برگزیدہ انبیاء کو جو خدائی احکام کے مبلغ ہیں، اور جن کی معصومیت پر خود خدائے قدوس نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے خدا اور رسول کے سوا پوری کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو غیر مسئولانہ مقام رکھتی ہو، اور اس کے احکام کی بغیر کسی خدائی سند کے پیروی کرنا ضروری ہو،

انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا واطعنا واولئک ھم المفلحون (نور)

ایمانداروں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ تم اپنے نزاعات کے لئے خدا اور رسول کی جانب رجوع کرو تو ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے، کہ ہم سمع و اطاعت کے لئے ہر وقت تیار ہیں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

غرض اس باطل تصور حاکمیت کو ختم کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حقہ کا نقطۂ آغاز ہے، اور یہی وہ بنیادی حقیقت ہے، جو وقت کے برسر اقتدار عناصر کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے، چنانچہ یہی اونچے طبقہ کے لوگ نبی کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور آخر دم تک تمام امکانی ذرائع و وسائل سے اس کی مخالفت کرتے ہیں، کبھی نبی کی پر تقدس شخصیت کو لوگوں کی نگاہوں سے گرانے کی سعی کی جاتی ہے،

فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون (مومنون - ۳)

کیا ہم اپنی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں، جن کی قوم صدیوں سے ہماری غلام چلی آتی ہے،

کبھی نبی کو کاہن اور ساحر کہکر لوگوں کو ان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور کبھی اقتدار و حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آجاتی ہے، اور نبی کے قتل کی سازشیں ہونے لگتی ہیں، کبھی یہ لوگ نبی اور اس کی مقدس جماعت کو غربت و افلاس کا طعنہ دیتے ہیں، اور اپنی شانِ امارت کو صداقت کی سند قرار دیتے ہیں،

لو کان خیرًا ما سبقونا الیہ

اگر دین اسلام بھی کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ گھٹیا درجہ کے لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے،

یعنی خدا نے جس طرح ہمیں ہر طرح کا سامان راحت و تعیش دے رکھا ہے، اگر اسلام بھی کوئی اچھی چیز ہوتی، تو اس سے ہم کس طرح محروم رہ سکتے تھے؟ یہ بھی ہمارے ہی حصہ میں آتی، اور یہ مفلس لوگ جس طرح ہر طرح کے اسباب عشرت سے محروم ہیں؛ اسی طرح اسلام سے بھی محروم ہوتے، مال و دولت کی بہتات اور اولاد کی کثرت نے ان کو عذاب الٰہی سے مطمئن کر دیا تھا،

نحن اکثر اموالًا واولادًا وما نحن

ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور

بسعفذ ہیں، (الآیہ) ہم کو عذاب کبھی نہ ہوگا،

غرض حق و باطل کی یہ کشمکش آج سے نہیں، بلکہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے، سرمایہ و دولت کے پرستارون
نے ہر زمانہ مین اپنے مخصوص مفاد کے تحفظ کے لیے اہل حق کا مقابلہ کیا، اخلاق اور انسانیت ہمیشہ ان کی
وحشت ناکیون پر ماتم کرتی رہے گی، مگر اس قسم کے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے واقعات اگر ازمنہ
مظلمہ تک ہی محدود رہتے، تو کوئی بات نہ تھی، مگر سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہو کہ عہد حاضر کی اقوام
جو تہذیب و تمدن اور علم و حکمت کے اعتبار سے بہت آگے جا چکی ہین، سفاکی، بربریت قتل و غارت، اور
غصب و نہب میں اقوام سابقہ سے کسی طرح کم نہین، بلکہ موجودہ سائنس کے ہلاکت انگیز وسائل نے ان ناپاک مقاصد
کے لئے ہر طرح کی آسانیان پیدا کر دی ہین، جو گذشتہ زمانون مین میسر نہ تھین، مذہب و آئین کی پابندیون
کے باوجود گذشتہ جنگ مین نسل انسانی جن ہولناک مصائب و آلام سے دوچار ہوتی رہی، وہ کسی سے پوشیدہ
نہین، استعمار پرستی اور زرگری کے کتنے ہی معرکے اس زمین پر دیکھے جا چکے ہین، کروڑہا معصوم اور بے کس
انسان غرور و تعلی کے ان دیوتاؤن کی بھینٹ چڑھ چکے ہین، انسانون کی نسلین تباہ و برباد ہوگئین، سیکڑون
گھر اجڑ گئے، اور ملک کے ملک ویران ہوگئے، مگر اقتدار پسندی، اور دولت پرستی کا مہیب دیو آج بھی کروڑہا
انسانون کو نگلنے کے لیے منتظر بیٹھا ہے، مذہبی اور اخلاقی پابندیون کو تو جاننا ہی کون ہے؟ لیکن ان کے اپنے
بنائے ہوئے قوانین بھی ہوس استعمار کی نذر ہو رہے ہین، جمعیۃ الاقوام کے آئین دھرے کے دھرے رہ گئے،
بین الاقوامی معاہدات کو ردی کی ٹوکری مین پھینک دیا گیا، اور ملک گیری کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے بے شمار
بے گناہ انسانون کو خاک و خون مین تڑپا دیا گیا، معلوم نہین نسل انسانی کی بدبختی کے دن کب ختم ہونگے
اور یہ کب تک ان وحشتناک اور زہرہ گداز مصائب کا شکار بنی رہے گی،

ان تنج منها تنج من ذی عظیمة
والا فانی لا اخالك ناجیا

اسلام کا نظریہ سیاست اور فلسفۂ اجتماع اس سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور آمرانہ طرز اجتماع و
سیاست کے خلاف اعلان جنگ ہے، اس کی پہلی ضرب ملوکیت و آمریت، نامنصفانہ تقسیم دولت، ضبط
حریت، سلب حقوق اور انسانی آئین سازی پر پڑتی ہے، دنیا کے آخری ہادی رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم
کا ظہور ایسے زمانہ مین ہوا، جب کہ ہر طرف جہالت و غوایت کی تیرہ و تار گھٹائین چھائی ہوئی تھین، اس وقت
کے خود غرض لوگون نے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے نئے عجیب و غریب طرز و طریق ایجاد کر رکھے
تھے، نسلی شرافت اور معاشی و اقتصادی تفوق کی بنا پر غریب اور مفلوک الحال انسانون پر ظالمانہ تسلط
جما رکھا تھا، کمزور اور ضعیف انسانون کے گاڑھے پسینہ کی کمائی مختلف ذرائع سے غصب کر لیتے اور پھر
ارباباً من دون اللہ بن کر ان سے اپنے تخت غرور کی پرستش کراتے، غرض یہ دنیا غریب و بیکس انسانون
کے لئے جہنم سے کم نہ تھی، کروڑون انسانون کی آبادی مین چند مکار اور عیاش اشخاص نے ساری آبادی کے
عیش و آرام پر قبضہ جما رکھا تھا، خدا کی زمین ظلم و ستم کشت و خون قتل و غارت اور غصب حقوق کے بے شمار مناظر
دیکھ چکی تھی، آخر غریبون کی آہین آسمان کی جانب بڑھین، بیکسون کے نالے عرش کے کنگرون سے جا ٹکرائے
اور رب العرش نے کائنات ارضی کے قلب (مکہ معظمہ) مین عالم انسانی کے سب سے بڑے محسن نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم
کو مبعوث فرمایا، جنھون نے لا الٰہ الا اللہ کی ایک ضرب سے بتان باطل کے پرزے اڑا دیے، ان الحکم
الا للہ کے ایک ہی نعرہ سے دنیا کی مطلق العنانہ آمریتون کو چیلنج کیا، اور شخصی نسلی، ملکی اور قومی تفاخر کے
جاہلی تصورات کو مٹا کر مساوات عامہ کا اعلان کیا، گدا اذن کو شاہون کے ساتھ کھڑا کر دیا، اور غریب کو
امیر کے پہلو مین بٹھا دیا،

ای بود کہ از اثر حکمت او	واقف سر نہانخانۂ تقدیر شدیم
اصل ما یک شرر باختہ رنگے بود است	یک نظر کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم

آپ سے پہلے ہزارون نبی اور مصلح پیدا ہوے، مگر دنیا کی غریب اور مفلوک الحال آبادی کے لئے امن و رحمت

کی نوید بن کر کس نے نظام عالم مین ایک نیا انقلاب پیدا کیا، ملکی قومی اور لسانی تفاخر کے بتون کو کس نے پاش پاش کیا ؟ امارت و غربت اور نسلی شرافت و دنائت کے امتیازی نشانات کو کس نے پاؤن تلے روندا ؟ ان کے جواب مین صرف ہادی عالم سرورِ کائنات ہی کا نام نامی لیا جائے گا،

طبقۂ امرا کو مخاطب کرتے ہوئے، غریبون کی عظمتِ شان کا ان الفاظ مین اظہار فرمایا،

هل تنصرون و ترزقون الا بضعفاء کم (رواہ البخاری عن سعد بن وقاص)

دولت مندو! کمزور اور غریب لوگون کے توسط سے تمھین ہر قسم کی مدد اور خوراک میسر آتی ہے،

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ جن لوگون کو تم غلام کہکر پکارتے ہو، وہ تمھارے بھائی ہین، ان کو ذلیل مت خیال کرو، جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ، جیسا لباس خود پہنو ان کو بھی پہناؤ،

ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے اپنے قبطی غلام کو سخت پیٹا، اتنے مین سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا وہان سے گذر ہوا، آپ نے برہمی کے لہجہ مین فرمایا،

مذ کم تعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارا

تم نے ان لوگون کو کب سے غلام بنا لیا ہے، حالانکہ یہ ماؤن کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوے ہین،

آپ نے بھرے مجمع مین حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے کو اسی غلام کے ہاتھون پٹوایا،

اہلِ عرب دورِ جاہلیت مین نسلی و قومی تفاخر اور خاندانی عصبیت کے لئے ساری دنیا مین شہرت رکھتے تھے، ان کے زورِ سخن، فصاحت و بلاغت اور ادب و شاعری کا منتہاے نظر آبا و اجداد کے کارنامون پر فخر کرنا تھا، مگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہلی معتقدات کو نہایت قلیل عرصہ مین ختم کر دیا، عربون کے افکار مین عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا، ایک موقع پر آپ نے فرمایا،

لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة (صحاح)

شخص ہماری جماعت سے نہین جو عصبیت کی طرف دعوت دے یا عصبیت کے لئے جنگ کرے یا عصبیت پر مرجائے،

احادیث نبوی مین "لیس منا" کا تہدیدی فقرہ آپ صرف ایسی حالت کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے، جو کفر سے قریب تر اور جماعت مومنین کی رکنیت و عضویت کے منافی ہوتی تھی، اس کی بہت سی مثالین احادیث مین ملتی ہین،

ایک موقع پر کسی شخص نے قومیت و نسب کا نعرہ لگایا، تو آپ نے فوراً اس کو تنبیہ فرمائی،

دعوها فانها خبيثة (بخاری)

اس نعرہ کو ترک کر دو کہ بہت برا نعرہ ہے،

قبل اس کے کہ موجودہ نظام جمہوریت کے اجزا ترکیبی اور آٹھ نکات کی بنا پر اس طرز جمہوریت کے آٹھ بنیادی نقائص کا تذکرہ کیا جائے، اور پھر ان نکات کے اعتبار سے اسلامی نظام سیاست کے جزئیات پر بحث کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی طرز سیاست کی لاثانی حیثیت پر سرسری تبصرہ کر دیا جائے، تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے، کہ موجودہ دور جمہوریت و مساوات کی نظر فریب تابانی دراصل اسی مرکزیت کی ہلکی سی جھلک ہے،

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتو آن
هر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

اسلامی نظریۂ سیاست کی نوعیت

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا ملوکیت کے سلاسل مین جکڑی ہوئی تھی، زمین کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا، جو اس لعنت مین مبتلا نہ ہو اور اس ساری کائنات مین کوئی ایک انسان جمہوریت کے نام سے آشنا نہ تھا، مگر ظہور اسلام کے ساتھ ہی اس کی سب سے پہلی ضرب ملوکیت کے باطل نظام پر پڑی، کلمۂ توحید کی ایک ہی گونج نے مشرق و مغرب مین شہنشاہیت کی گرفت کو ڈھیلا کر دیا، اور چند دنون مین خالص اسلامی نظریۂ سیاست کی بنیادون پر ایک معیاری حکومت قائم کرکے دکھا دی، اس اسلامی نظریۂ حکومت کی نوعیت کیا ہے ؟ اس کے لئے ہمین دیگر سیاسی نظریات

کی طرف جانے کی ہرگز ضرورت نہین، موجودہ دنیا مین تمہارے سامنے کوئی ایسا سیاسی نظام نہین جو اسلام کے نظریۂ سیاست کے لئے بطور مثال پیش کیا جاسکے، اور نہ کسی خاص نظریہ کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، اشتراکیت (کمیونزم) جمہوریت (ڈیموکریسی) آمرانہ طرزِ حکومت (ڈکٹیٹرشپ) یا کسی دوسرے انسانی نظریۂ سیاست کو اسلام سے کوئی ادنیٰ مناسبت بھی نہین، اسلام اپنی مثال آپ ہے، اور خود ہی اپنے مخصوص نظریۂ سیاست و اجتماع کا شارح ہے، اسلام کی نسبت بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے،

"الاسلام ھو الاسلام"

یعنی اسلام چونکہ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتا ہے اس لئے ہم اسلام کو صرف اسلام کی اصطلاح سے پہچان سکتے ہین، مگر صرف اس بنا پر کہ اس کا طرزِ حکومت طریقِ شوریٰ پر مبنی ہے، اس لئے اس کے نظریۂ سیاست کو جمہوریت سے قریب تر کہہ سکتے ہین، مگر اسلام کی جمہوریت، موجودہ جمہوریت سے بالکل مختلف ہے، جمہوریت کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے، کہ قانون ساز خود جماعت ہوتی ہے، لیکن اسلام کا قانون الٰہی ہے، اس مین کسی بندے کو تغیر و تبدل کرنے کا اختیار نہین، خلیفۂ وقت صرف اسکا نافذ کرنے والا ہے، پھر اسلام کا طریقِ شوریٰ اور طرزِ انتخاب بھی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، لہذا جمہوریت کے اطلاق سے کسی کو یہ شبہہ نہین ہونا چاہئے، کہ اسلام بھی موجودہ نظامِ جمہوریت (ڈیموکریسی) کی طرح کا کوئی نظام ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت جامع الشخصیات تھی، آپ کے قول و فعل مین خطا کا احتمال نہ تھا، کیونکہ آپ مؤید من اللہ تھے، مگر اس کے باوجود آپ کو واضح الفاظ مین حکم دیا گیا، کہ آپ حکومت کے کاروبار اور دیگر معاملات مین مومنین سے مشورہ کر لیا کرین،

"وشاورھم فی الامر" (الآیۃ)

نیز اہل ایمان کے اوصاف مین ایک بڑا وصف ارشاد فرمایا، کہ وہ امور خلافت اور دوسرے

معاملات کو باہم مشورہ سے طے کرتے ہین،

"وامرھم شوریٰ بینھم"

امر کا لفظ کتاب و سنت مین حکومت و خلافت کے لئے اکثر استعمال ہوا ہے، چنانچہ واُولی الامر منکم مین با تفاق مفسرین اولاً و بالذات حکام سیاست مراد ہین،

انا لا نولی ھذا الامر من سألہ (بخاری)	ہم اس شخص کو حاکم نہین بنا سکتے جو اس کا خواہش مند ہو،

مین امر سے مراد منصبِ حکومت ہے،

بے شمار آیات و احادیث مین امر کا لفظ ان معنون مین وارد ہوا ہے، لہذا آیاتِ مذکورہ شاورھم فی الامر، اور امرھم شوریٰ بینھم مین یہی معنی مراد لئے جائین گے، ان آیات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام مین حکومت و خلافت کی بنیاد طریقِ شوریٰ پر ہے، اور اس مین نظامِ ملوکیت کی طرح استبداد، شخصی وراثت و ولیعہدی کا کوئی شائبہ موجود نہین،

اس باب مین احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ اس کثرت سے ہین، کہ ان کا احاطہ ہمارے لئے بہت مشکل ہے، یہان صرف چند احادیث و آثار پیش کئے جاتے ہین جن مین طریقِ شوریٰ کو شعار اسلامی قرار دیا گیا ہے،

عن ابی عبیدۃ ابن الجراح ومعاذ ابن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ بدء ھذا الامر نبوۃ ورحمۃ ثم کائن خلافۃ ورحمۃ ثم کائن ملکا عضوضا ثم کائن عتوا و جبریۃ الحدیث (اخرجہ ابو یعلیٰ)	اسلام کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے، اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ اور رحمت کا دور آئے گا، پھر ظالمانہ طرزِ حکومت.. اور آخر مین خالص ظلم اور جبروت کی حکومت ہوگی،

شاطبی نے موافقات میں اسی قسم کی ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں کچھ لفظی اختلاف کے علاوہ ایک پانچویں دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

ان اوّل دینکم نبوة ورحمة وتکون	تمہارے دین (اسلام) کا آغاز نبوت اور
فیکم ماشاء اللّٰہ ان تکون ثم یرفعھا	رحمت سے ہے، اور جب تک خدا کو منظور
اللّٰہ جل جلالہ ثم تکون خلافة	ہوگا، یہ تم میں رہے گی، پھر خدا اس کو اٹھالیگا،
علی منہاج النبوة ماشاء اللّٰہ ان	اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ ہوگی،
تکون ثم یرفعھا اللّٰہ جل جلالہ	اور یہ بھی جب تک خدا کو منظور ہوگا، رہے گی،
ثم یکون ملکاً عاضاً فیکون ماشاء اللّٰہ	پھر خدا اس کو اٹھالے گا، پھر ظالمانہ ملوکیت
ان یکون ثم یرفعہ اللّٰہ جل جلالہ	کا دور آئے گا، اور جب تک خدا کی مرضی
ثم تکون ملکاً جبریة فتکون ماشاء اللّٰہ	ہوگی، رہے گا، اور پھر اٹھالیا جائے گا، پھر
ان تکون ثم یرفعھا اللّٰہ جل جلالہ	خالص جبر و قہر کی حکومت ہوگی، جو مشیت
ثم تکون خلافة علی منہاج النبوة	ایزدی کے مطابق ایک عرصہ تک رہے گی،
تعمل فی الناس بسنة النبی ویلقی	اور پھر اٹھ جائے گی، آخر میں، ایک دفعہ پھر
الاسلام بجرانہ فی الارض	خلافت علی منہاج النبوۃ کا مقدس دور
یرضی عنھا ساکن السماء وساکن	آئے گا، جس کے اعمال سنت کے طریق پر
الارض لا تدع السماء من قطر الا	ہونگے، اور اس دور میں اسلام کو زمین میں استحکام
صبتہ مدراراً ولا تدع الارض	حاصل ہوگا، آسمان والے اور زمین والے اس دور
من نباتھا وبرکاتھا شیئاً الا	سعید سے خوش ہوں گے، آسمان تحت خداوندی
اخرجتہ،	کی موسلا دھار بارش برسائے گا، اور زمین اپنے [illegible]

ان دونوں روایتوں میں خلافت اسلامی ملوکیت جابرہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے، اور پھر دور نبوت اور دور خلافت کو یکساں طور پر رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دور ملوکیت کو جبر و قہر اور ظلم و تشدد سے، ملوکیت کی حقیقت کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حکم ذاتی اور استبداد شخصی کا دوسرا نام ہے، لہذا اسلامی حکومت خلافت وہی ہو سکتی ہے، جو حکم ذاتی کی جگہ طریق شوری پر مبنی ہو،

حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے ایک ایک لفظ سے اسلام کے طرز سیاست و جمہوریت کا پتہ چلتا ہے،

ثم قام ابوبکرؓ فخطب الناس واعتذر	خدا کی قسم میں نے کسی دن اور رات
الیھم وقال واللّٰہ ما کنت حریصاً	میں امارت کی ہوس نہیں کی، اور نہ مجھے اس
علی الامارة یوماً ولا لیلة قط	کی کوئی خواہش ہے، میں نے کبھی تنہائی میں
ولا کنت راغباً فیھا ولا سألتھا	یا علانیہ طور پر خدا سے بھی امارت کے لئے سوال
اللّٰہ عز وجل فی سر وعلانیة	نہیں کیا، لیکن اختلاف بین المسلمین سے ڈر کر
ولکنی اشفقت من الفتنة ومالی	میں نے اُسے قبول کر لیا ہے، امارت میں میرے
فی ھذہ الامارة من راحة	لئے کوئی راحت کا سامان نہیں، بلکہ مجھ پر
ولکنی کلفت امراً عظیماً (اخرجہ الحاکم)	تو بہت بڑا بوجھ ڈال دیا گیا ہے،

انتخاب عام اور طریق شوری کا منشا اسی وقت پورا ہو سکتا ہے، جب کہ امارت و خلافت اور نمائندگی کے لئے کوئی شخص خود اپنے آپ کو پیش نہ کرے، بلکہ جمہور اصحاب علم و عمل اور فکر و دانش خود کسی مسلمان کو اس کے اوصاف کے لحاظ سے منتخب کریں، اس طرح ان کو اظہار خیال کی پوری آزادی مل سکتی ہے، اور حریت رائے عامہ ہر قسم کے جبر و اکراہ اور ترغیب و ترہیب سے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کے برعکس جب ایک یا چند اشخاص خود ہی امارت و نمائندگی کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوں تو رائے عامہ بیرونی اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، کیونکہ

ہر ایک امیدوار (کانڈیڈیٹ) ووٹ حاصل کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب کے امکانی وسائل استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، جس سے آزادیٔ رائے پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، اسلامی جمہوریت کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے، جو موجودہ جمہوریت میں کلی طور پر ناپید ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ خلیفہ بنے نہیں بلکہ بنائے گئے، اور انہوں نے بادل ناخواستہ ملت کو انتشار و طوائف الملوکی سے بچانے کی خاطر یہ منصب قبول کیا،

حضرت عمر فاروقؓ نے وفات سے قبل جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں بھی اسی طریق شوریٰ کا اظہار کیا گیا،

فان عجل بی امر فالخلافۃ شوریٰ	اگر مجھے موت آجائے تو خلافت کے لئے
بین ھولاء النفر الذین توفی	ان اشخاص میں سے کسی ایک کا انتخاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کر لیا جائے، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وھو عنھم راض	اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ ان
(اخرجہ مسلم و ابو یعلی)	سے راضی تھے،

اس کے بعد آپ نے چھ اصحاب کے نام لئے، الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان چھ حضرات کے لئے سفارش کی، کیونکہ یہ سبقت فی الاسلام اور خدمات ملی کے اعتبار سے مستحق خلافت تھے، مگر آپ نے کسی کو نامزد نہیں کیا، بلکہ اس کا فیصلہ رائے عامہ کے سپرد کیا،

حضرت عمرؓ کا یہ قول مشہور ہے :-

لا خلافۃ الا عن مشورۃ (کنز العمال)

خلافت کا معاملہ امت کے مشورہ سے ہی طے ہو سکتا ہے،

حضرت علیؓ کو جب حضرت امیر معاویہؓ نے ایک خط میں لکھا کہ آپ کو کس نے خلیفہ بنایا ہے تو

آپ نے نہایت جامع اور مدلل جواب دیا، جس سے اسلامی جمہوریت کے تمام اجزاء معلوم ہو جاتے ہیں، آپ کے اس جواب کے چند فقرے یہ ہیں،

وانما الشوریٰ للمہاجرین	حق رائے صرف مہاجرین اور انصار کو حاصل
والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجل	ہے، وہ جس شخص پر متفق ہو جائیں، اور اس
وسموہ اماماً کان ذلک رضی	کو اپنا امام تسلیم کر لیں، تو یہ جمہوریت کا
فان خرج من امرھم خارج	ناطق فیصلہ متصور ہوگا، اگر کوئی شخص طعن
بطعن او بدعۃ ردوہ الی	یا بدعت کی بنا پر اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے
ماخرج منہ فان ابی قاتلوہ	تو اس کو اس کے لئے مجبور کرنا چاہئے، اور
علیٰ اتباعہ غیر سبیل المومنین	اگر وہ پھر بھی انکار کرے، تو اس سے جنگ
(نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر)	کی جائے کیونکہ اس نے سبیل المومنین کو ترک کیا

حضرت علیؓ کے ان الفاظ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں رائے دہندگی کا معیار علم و عمل ہے، اور علم و عمل کے اعتبار سے انصار و مہاجرین سب سے زیادہ ممتاز تھے، مگر موجودہ طرز جمہوریت میں علم و عمل اور اخلاق و سیرت کو کسی بعید سے بعید کونے میں بھی جگہ حاصل نہیں، اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے چل کر آئے گی،

سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد محی السنہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین بنایا تھا، مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ میں غیر اسلامی طرز پر مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا ہوں، اس لئے خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں،

ایھا الناس انی ابتلیت بھذا الامر	اے لوگو! مجھے میری رائے اور خواہش نیز
من غیر رای منی ولا طلبۃ ولا مشورۃ	مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر حاکم بنا دیا گیا ہے،

من المسلمین وانی قد خلعت مانی	اس لئے میں اپنی بیعت سے تمہیں آزاد کرتا ہوں
اعناقکم من بیعتی فاختاروا	اب تم میرے سوا جس کو چاہو، اپنا امیر
لانفسکم غیری،	بنالو،

دنیا میں شاید کوئی ایسی مثال نہ مل سکے، کہ ایک عظیم الشان سلطنت کو صرف اس لئے ٹھکرادیا گیا، کہ یہ جائز طریق سے حاصل نہیں ہوئی تھی، حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیز ہی وہ بلند پایہ انسان ہیں، جنھوں نے شاہانہ وقار اور مسند حکومت کو اصول اسلامی کے لئے قربان کردیا،

آپ شاہی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اور ناز ونعم میں زندگی گذاری تھی، ان کے والد مصر کے گورنر تھے، نیز ان کی اپنی جائداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تھی، عیش وعشرت کے وسائل کی ہر طرح فراوانی تھی، اور اس پر سلیمان بن عبدالملک ایسے باجبروت بادشاہ کی مسند حکومت اور حشمت ودولت بھی ان کے حصہ میں آئی، مگر خدائے قدوس کو ان سے کچھ اور ہی کام لینا تھا چنانچہ اس مرد خدا نے اپنی زندگی کے قلیل عرصہ میں تجدید دین کا فریضہ کما حقہٗ انجام دیا،

آپ نے بالکل طریق سنت اور منہاج نبوت پر خلافت کا نظام چلایا، بنو امیہ کے روایتی ٹھاٹھ کو ترک کرکے فقیرانہ زندگی بسر کی، یہاں تک کہ خلیفہ بننے کے بعد ان کی ذاتی آمدنی پچاس ہزار کے بجائے صرف دو سو اشرفی سالانہ رہ گئی،

تا ابد بوئے محبت بہ مشامش نہ رسد
ہر کہ خاکِ در میخانہ برخسار نہ رفت

بہرحال خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ نے اپنے طرز عمل سے دکھا دیا، کہ اسلام کا نظام سیاست وراثت دجانشینی کے ملوکانہ تصور سے بالکل الگ ہے، اسلام اس جاہلی تصور کو کسی حال میں برداشت نہیں کرتا،
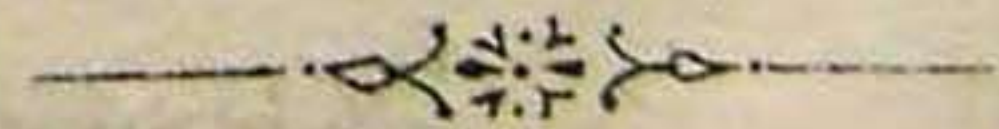
رفعِ خوف وحزن

از

ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ)

(۱)

حق تعالیٰ میرے مولیٰ ونصیر ہیں، میرے محسن ومنعم ومکرم ہیں، میری قوت بازو اور میری پناہگاہ ہیں! ان ہی پر مجھے بھروسہ ہے! میری زندگی کی قوت وحرکت حق تعالیٰ ہی ہیں،! ان ہی پر مجھے اعتماد ہے وہی میرا سہارا ہیں!

حَسْبِیَ اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر!

اللّٰھُمَّ انی اسئلك یا اللہ یا رحمٰنُ	اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، اے اللہ
یا رحیمُ یا جار المستجیرین یا امانَ	اے رحمٰن، اے رحیم، اے پناہ مانگنے والوں
الخائفین یا عمادَ مَنْ لا عماد لہٗ یا	کی پناہ، اے ڈرنے والوں کو امان دینے والے،
سَنَدَ مَنْ لا سَنَدَ لہٗ یا ذُخْرَ مَنْ	سہارا اس کا جس کا کوئی سہارا نہیں، تکیہ اس
لا ذخر لہٗ یا حرز الضعفاء، یا	کا جس کا کوئی تکیہ نہیں، اے بخشایش اس
یا کنز الفقراء یا عظیم الرّجاء	کی جس کی کوئی بخشایش نہیں، اے ضعیفوں
یا منقذ الھلکیٰ، یا منجی الغرقیٰ	کے بچانے والے، اے فقیروں کا خزانہ،
یا محسنُ یا مکرمُ یا منعمُ یا مفضلُ	اے بڑی امید، اے ہلاک ہونے والوں کو

یا جبار یا منیر انت الذی سجد
لک سواد اللیل وضوء النهار و
شعاع الشمس و نور القمر و
خفیق الشجر و دوی الماء یا اللہ
انت اللہ لا شریک لک اسئلک
ان تصلی علی محمد عبدک و رسولک
وعلی آل محمد!

بچانے والے، اے ڈوبنے والون کو نجات
دینے والے، اے محسن، اے کرم کرنے والے،
اے انعام والے، اے فضل والے آقا،
اے جبار، اے روشن کرنے والے، تیری
وہ ذات ہے کہ سجدہ کیا تجھکو رات کی
سیاہی نے اور دن کی روشنی نے آفتاب
کی شعاع نے اور چاند کے نور نے، درخت
کے جانور اور پانی کے حیوانون نے، یا اللہ
تیرا کوئی شریک نہین، تجھ سے چاہتا ہون
کہ رحمت بھیج تو اپنے بندے اور رسول
محمدؐ پر، اور آل محمدؐ پر،

خوف کا تسلط میرے قلب پر کیسے ہو سکتا ہے جب میرے مولیٰ میرے قریب ہین، میرے ساتھ ہین، مجھ پر محیط ہین، کسی قسم کی پریشانیون سے مجھے کیا غم، جب ان کی قوت میرے اندر موجود اور سرگرم عمل ہے!؟

"اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی"

"ان ربی قریب مجیب، (هود ع ۵)

نحن اقرب[1] از کتاب حق بخوان   نسبت خود را بحق نیکو بدان
ہست حق از ما بما نزدیک تر   ما ز دوری گشتہ جویان دربدر

[1] اشارہ بجانب آیہ شریف، نحن اقرب الیہ من حبل الورید،

قرب حق کے اس احساس کو قلب مین لئے ہوئے مین اپنے روزمرہ زندگی کے فرائض کو بے فکری اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرتا رہون گا، سکون وطمانیت میرے ہر فعل وحرکت سے ظاہر!

"لا تحزن ان اللہ معنا"

سوے نومیدی مرو کامیدہاست
سوے تاریکی مرو خورشیدہاست (رومی)

مجھ پر کون غالب آسکتا ہے، حق تعالیٰ میری قوت بازو ہین، میرے مولیٰ، اور ناصر حقیقی!

وما النصر الا من عند اللہ! اللھم انت عضدی وناصری،

دامن او گیر اے یار دلیر!   کو منزہ باشد از بالا و زیر! (رومی)

مجھ پر کوئی غالب نہین آسکتا، کیونکہ میرے قلب سے ہر آن محبت اور خیر خواہی کی شعاعین نکل رہی ہین! اُن کے مقابلہ مین غیظ وغضب، طنز وتعریض سب فنا ہو جاتے ہین، وجود ہی مین نہین آسکتے!

دشنام خلق را ندہم جز دعا جواب
ابرم کہ تلخ گیرم وشیرین عوض دہم! (صائب)

اب مین ہر خوف ہر شبہہ اور وسواس ہر فکر وغم سے ماورا ہون، اکوئی سلبی خیال، کوئی باطل خطرہ، میرے قلب مین جگہ نہین پا سکتا، مین قطرۂ نور ہون، سراپا نور ہون، حزن وغم سے دور ہون، دائماً مسرور ہون،!

واکشیدم لذت وغم را برون کردم ز دل
چون تہی از مغز گردید استخوان انداختم (ناصر علی)

خوف کا تسلط اب میرے قلب پر ممکن نہین، کیونکہ حق تعالیٰ میرے ساتھ ہین، فکر وتردد کا بار میرے سینہ پر نہین، کیونکہ حق تعالیٰ میرے تمام کاروبار کے وکیل وکارساز ہین!

قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ   آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا رب ہے، اس کے

تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ!   سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں میں نے اسی

(پ ۱۳ ع ۱۰)   پر بھروسہ کرلیا، اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے

اے ناخدا ز مصلحت ما بشوی دست

ما با خدائے خویش بکشتی نشستہ ایم! (صائب)

میرا دل قوی ہے، خوش ہے، میں خوف سے بالکل آزاد ہوں، کیونکہ میں نے اپنا سارا بوجھ حق تعالیٰ کے کندھوں پر رکھدیا ہے، اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے!

فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ   پس اللہ بہترین محافظ ہے، وہ ارحم الراحمین ہے،

بِسْمِ اللّٰهِ اَفْتَتِحُ وَبِهٖ اَخْتَتِمُ اللّٰهُ   اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اسی

اللّٰهُ اللّٰهُ!   کے نام پر ختم کرتا ہوں، اللہ اللہ اللہ!

این ہمہ غمہا کہ اندر سینہاست   از غبار و گرد باد و بود ماست

این غمان بیخ کن چون داس ماست   این چنین و آن چنان وسواس ماست (رومی)

ڈروں کس چیز سے جب حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر و موجود ہیں، وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا! غم و حزن سے مجھے کیا سروکار جب حق تعالیٰ میری رہبری فرما رہے ہیں، اور ہر روز میرے معاملات کو اپنی خاص توجہ سے درست فرما رہے ہیں؟ کیا وہ میرے لئے کافی نہیں؟ ان کے ہوتے ہوئے مجھے کسی کا کیا ڈر؟

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَ   کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں!

یُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ،   کیا تجھ کو یہ لوگ اُن سے ڈراتے ہیں، جو خدا

(پ ۲۴ ع ۱)   کے ماسوا ہیں، (ذرّت)

سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوزناک

مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر (اقبال)

حق تعالیٰ میری راہ کو آسان بنا رہے ہیں، ان کے لئے ہر چیز آسان ہے! مومن کی تائید انھوں نے اپنا حق قرار دے لیا ہے!

كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ،

اب مجھے ٹھوکر کا کوئی اندیشہ نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے راستہ کا نور ہیں!

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ   اللہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ!   لائے، اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر

(پ ۳ ع ۲)   یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے،

یارب ز کرم امیدِ بے بیم دہ   علمے کہ رضائے تست تعلیم دہ!

تاریکیِ عقل در کشاکش دارد   از شمعِ رضا فروغِ تسلیم دہ!

اب میں زندگی کے ہر واقعہ کو بلا خوف و ہراس خوش آمدید کہوں گا، اور مظاہر و آثار سے قطعاً متردد نہ ہونگا، ان میں تو ہر آن تغیر ہے، کوئی دو آن پر قائم نہیں رہتے، اور میں نے ذاتِ ازلی و ابدی کو اپنا مقام بنا لیا ہے! ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑا ہوں اور کوئی چیز میرے سکون و وقار کو متزلزل نہیں کرسکتی!!

"كُنْتَ وَتَكُوْنُ وَاَنْتَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ تَنَامُ الْعُیُوْنُ وَتَنْكَدِرُ النُّجُوْمُ وَاَنْتَ حَیٌّ قَیُّوْمٌ لَا تَاْخُذُكَ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ!"[1]

---

[1] حضرت موسیٰ جب فرعون کے مقابلہ کو چلے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی لڑائی کے لئے نکلے تو یہ دعا پڑھتے تھے اور ہر مصیبت زدہ کو یہ دعا پڑھنی چاہئے،

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد — یا بکس دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دارد دوست — وز کوے تو بگذرد کجا خواہد شد

میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جو میرے مولا و ناصر ہیں جنھوں نے میرے قلب کو ہر غم وحزن خوف وفکر سے آزاد فرما دیا ہے، اور اس کو سکون واطمینان سے معمور فرما دیا ہے، الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ،

(۲)

ہم پر کوئی حادثہ یا مصیبت نہیں نازل ہو سکتی، مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمائی ہے، وہ ہمارے مولیٰ ہیں، "آقا ہیں، ہمیں اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئیں" ان ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے، ان ہی کا آسرا ڈھونڈھنا چاہئے، مجھے ان کے در کے سوا کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ اور کون مجھے پناہ دے سکتا ہے؟!

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ"

(پارہ ۱۰ ع ۱۲)

شاد و خنداں پیش تیغش سر بنہ!

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ! (رومی)

میرا پختہ ایمان ہے، کہ ہر غم و مصیبت کا مجھ پر ورود حق تعالیٰ ہی کی مشیت وارادت سے ہوتا ہے:

ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ (پ ۲۸ ع ۱۵) — کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی،

جب ہر مصیبت کا ورود حق تعالیٰ ہی کے حکم وارادہ سے ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ مجھ پر بعد ایمان[۱] رحیم ہیں، جیسا کہ ان کا ارشاد ہے، کان بالمومنین رحیما، تو اب جو کچھ بھی ان کی طرف سے پیش آئے گا، اس میں رحمت بھی ہوگی، اور حکمت بھی!

جامی از یار پسندیدہ ہمہ حاشا

کاں پسندیدہ بجز کار پسندے نکند (رومی)

حواس کی آنکھ مظاہر وحقائق میں فرق نہیں کر سکتی، نمود و بود کے امتیاز سے قاصر ہوتی ہے، اسی لئے تاکید فرما دی گئی ہے،

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً (پ ع ۱۲) — شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور حق تعالیٰ نے اس میں خیر کثیر رکھا ہو،

میری عقل بھی امروز و دوش کی زنجیروں میں پابستہ ہے، تابع نفس ہے، حقیقی اقدار سے غافل، حقیقت سے جاہل ہے، اسے منزل کی خبر نہیں، اس کو حقائق حیات کا علم نہیں!

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن — دست در دیوانگی باید زدن،

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد — ایں عسس را دید و در خانہ نشد (رومی)

عاقل و بالغ تو وہی مرد ہے، جو ہوا و ہوس سے آزاد ہے، علم اللہ کا تابع ہے، اس کے سوا سب ہی بچے ہیں، نادان اور بے عقل!

خلق اطفال اند جز مست خدا

نیست بالغ جز رسیدہ از ہویٰ (رومی)

بچہ ہی تو دودھ چھوٹتے وقت پریشان ہوتا ہے، سخت تکلیف محسوس کرتا ہے، اس کو ایک

---

[۱] بہرصورت مجھے اپنے ایمان کی حفاظت ہے،

مصیبت خیال کرتا ہے، لیکن وہی کچھ عرصہ بعد اپنی مان کو دعا بھی دیتا ہے، کہ

ع جزاک اللہ چشم باز کردی!

اگر تو میرا دودھ نہ چھڑاتی، تو مین آج یہ لذیذ اور نفیس غذائین کیونکر کھاتا!

بچہ ہی تو ختنہ کو ایک مصیبت عظمیٰ خیال کرتا ہے، اس سے پناہ مانگتا ہے، لیکن اس کی مہربان

مان اس کو مصیبت نہین سمجھتی!

طفل می لرزد زنیشِ احتجام

مادرِ مشفق ازان غم شادکام! (رومی)

مجھ پر جو مصیبت آئی ہے، وہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے آئی ہے، اور حق تعالیٰ میرے آقا اور مولیٰ ہین، اور مجھ پر رحیم وحلیم ہین، ان کی طرف سے جو بات بھی آتی ہے، اس مین خیر ہی ہوتا ہے، وہ رحمت سے مملو ہوتی ہے، ہرگز حکمت سے خالی نہین ہوتی!! اس لئے مین اپنی ارادت حق تعالیٰ کی ارادت اور مرضی کے تحت کردیتا ہون، ان کے فعل سے راضی ہوجاتا ہون، ان کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہون، لیکن ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھون مین تھامے رکھتا ہون، اور اب وہ جس تاریکی مین بھی مجھے لے چلنا چاہے، ذوق وشوق کے ساتھ قدم اٹھاتا ہون یقیناً وہ مجھے بالآخر سرسبز وشاداب وادی ہی مین پہنچا دینگے، وہ میرے مولیٰ ہین، میرے مالک ہین، ستر ماؤن سے زیادہ مجھ پر رحیم ہین! بے ضرورت وہ مجھے آزار مین کیون مبتلا کرین گے؟!

آن کسے را کہ چنین شاہ کشد سوے بخت وبہترین جائے کشد

نیم جان بستاند وصد جان دہد آنچہ در وہمت نیاید آن دہد! (رومی)

اپنے کریم کا در چھوڑ کر کہان جاؤن، کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤن، کس کے قدم پکڑون؟!!

تو کریم مطلق ومن گدا چہ کنی جز انیکہ نخوانیم!

در دیگرے بنما کہ من بکجا روم چو برانیم!

نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم!

نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت وچہ معانیم!

ہمہ عمر ہرزہ دویدہ ام خجلم کنون کہ خمیدہ ام!

من اگر بحلقہ تنیدہ ام تو برون درفشانیم (بیدل)

اللھم لک الحمد والیک المشتکی	یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے اور تجھی سے
وبک المستغاث وانت المستعان	لائق ہے شکایت، اور تجھ ہی سے فریاد ہے
ولاحول ولاقوۃ الا باللہ،	اور تو ہی مستعان ہے، اور اللہ کے سوا نہ

مثنوی گلزار نسیم کے ماخذ

از

جناب سید ظہور حسن صاحب رامپوری

بعض اوقات ردی میں ایسے غیر مطبوعہ پرانے قلمی نسخے ملجاتے ہین جن سے عجیب و غریب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، ہمارے پاس دو مثنویان قلمی ہین جنھین ہر طرح مثنوی گلزار نسیم کی اصل کہا جا سکتا ہے، ان مین کی ایک مثنوی اردو مین ہے جس کا تاریخی نام باغ بہار ہے، یہ ریحان الدین لکھنوی تخلص ریحان کی لکھی ہوئی ہے، دوسری مثنوی فارسی مین ہے، یہ رفعت لکھنوی کی تصنیف ہے، افسوس باوجود کوشش بسیار مکمل نہین مل سکی، لیکن جگہ جگہ تخلص کے آنے سے اس کے مصنف کا پتہ چلتا ہے،

ان تینون مثنویون کا ایک ہی قصہ سے تعلق ہے، ایک ہی بحر ہے اور نام اور مقام بھی ایک ہی ہین، اس کے علاوہ اکثر مصرعون اور شعرون کا لفظ بلفظ مثنوی گلزار نسیم مین موجود ہونا خود اس خیال کا مؤید ہے، کہ نسیم کی نظر سے پہلی یا دوسری یا دونون مثنویان ضرور گذری ہین لیکن حیرت یہ ہے کہ خود نسیم نے اس کا اقرار نہین کیا، بلکہ اپنی مثنوی کی اصل ایک نثری قصے کو بتایا ہے،

وہ نثر ہے، داد نظم دون مین

اس مے کو دو آتشہ کرون مین

مثنوی گلزار نسیم کا سنہ تصنیف ۱۲۵۴ھ خود نسیم ہی کے مصرع

تو نیع قبول روزیش باد

سے نکلتا ہے، اور باغ بہار کا سال تالیف ۱۲۱۱ھ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گلزار نسیم، باغ بہار سے ۴۴ سال بعد وجود مین آئی، ۴۴ سال مین زبان مین جتنی صفائی آسکتی ہے، وہ گلزار نسیم اور باغ بہار کے مقابلہ سے ظاہر بھی ہے، اگر اردو زبان نصف صدی گذر جانے پر بھی اسی نقطہ پر موجود رہتی جہان نصف صدی پہلے تھی، تو یہ ایک مردہ زبان کے جانے کی مستحق تھی، لیکن ہر زندہ زبان ترقی کرتی ہے، اور دنیا کی کوئی زندہ زبان اگر کچھ قبل کی زبان سے مقابلہ کرکے دیکھی جائے گی، تو یہی صورت پیش آئے گی جو یہان نظر آرہی ہے،

رفعت لکھنوی نے اپنی فارسی مثنوی مین اس بات کا اعتراف کیا ہے، کہ یہ فسانہ انھین نثر مین ملا،

یعنی چو کہن بشد زمانہ کم قدر شدہ است این فسانہ

خواہم کہ بگویمش دگر بار یارب بکشا بہم بہ گفتار

اگرچہ اس مثنوی کا صحیح سنہ تصنیف نہین ملا لیکن اس کے بعض بعض مصرعون اور شعرون کا ہو بہو ترجمہ مثنوی گلزار نسیم مین پایا جاتا ہے، اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ رفعت لکھنوی فارسی کے شاعر نسیم سے پہلے گزرے ہین،

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نسیم کو کسی طرح یہ قلمی مثنویان مل گئی تھین، اور انھون نے ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، ہم اس وقت ان مثنویون کے بعض بعض مقامات نقل کرتے ہین، جن کا طرز بیان وغیرہ گلزار نسیم سے ملتا ہے، ناظرین کی آسانی کے خیال سے ہم نے گلزار نسیم کے ہم مضمون اشعار بھی نقل کر دیئے ہین،

پہلے رفعت کی فارسی مثنوی اور گلزار نسیم کا تقابل مطالعہ فرمائیے،

نسیم	رفعت
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا	چون مردمکش نگاہ دارید

	رفعت	نسیم
۲-	عازم بہ سفر شدند ہر چار	شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار
	زیشان بہ برید شاہ ناچار	رخصت کئے شہ نے چار ناچار
۳-	گفتند کہ چشم شاہ شد کور	سلطان زین الملوک شہ زور
	ناچید ز عارض پسر نور	دیدار پسر سے ہو گیا کور
	بارے چو رخش ترا بباید	بیمار یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
	بینائی چشم تو رباید	پھر دیکھ نہ سکے گا وہ کسی کو
۴-	می گشت چو گرد در بدشتے	میدان میں خاک اڑا رہا تھا
۵-	در مشت تو باد در پیما	مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا
۶-	در دیدہ کنم چو مردمک جا	ہے چشم پری میں جائے مردم
۷-	چون سرو بہ ہر طرف خرامان	شمشاد رواں ہوا چمن میں
۸-	از بہر تو اے بت پری رخ مشہور شدم بہ نام فرخ	فرخ ترے واسطے ہوئی میں
۹-	حالت بزبان تو شنیدم	سب تجھ سے سنی تری زبانی
۱۰-	اے شاہ ارم بت گل اندام	اے شاہ ارم کی دخت گلفام
	فرخ لقب و بکاولی نام	فرخ لقب و بکاولی نام
۱۱-	باز آمدہ آب رفتہ در جو	آیا پھر آب رفتہ جو میں
۱۲-	ہمچون در توبہ در کشادہ	توبہ کا سا در کھلا ہوا تھا
۱۳-	در جامہ خویشتن نگنجید	پھولا نہ وہ جامہ میں سمایا

اس مقابلہ سے اندازہ ہوجاتا ہو کہ نسیم رفعت کا کس درجہ زیر بار احسان ہے، اس کے بعد باغ بہار اور گلزار نسیم کے اشعار پیش ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ جہاں تک لطف زبان، صفائی، سادگی، روانی اور شستگی کا تعلق ہو باغ بہار نسیم کی مثنوی سے بہت بلند ہے، اس میں وہ مصنوعی صنعت گری بالکل نہیں پائی جاتی جس سے گلزار نسیم کے مصنف نے کام لے کر اپنے آپ کو ریحان سے آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے

	نسیم	ریحان
۱-	پورب میں ایک تھا شہنشاہ	تھا زین الملوک نام جس کا
	سلطان زین الملوک ذیجاہ	دوران فلک غلام جس کا
	لشکر کش و تاجدار تھا وہ	یوں کہتے ہیں راویان آگاہ
	دشمن کش و شہریار تھا وہ	تھا شرق کی سرزمین میں کوئی شاہ

ریحان   تاج الملوک کی پیدایش   نسیم

القصہ عنایت خدا سے	امید کے نخل نے دیا بار
بیٹا جنا اس پری لقا نے	خورشید حمل ہوا نمودار
بیٹا کہوں یا کہ ماہ پارا	وہ نور کہ صدقے مہر انور
یا ٹوٹ پڑا فلک سے تارا	وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

تاج الملوک کا جوان ہونا۔

طفلی گئی آئی نوجوانی	جب نام خدا جوان ہوا وہ
غنچہ لگا کرنے گلستانی	مانند نظر رواں ہوا وہ

باپ بیٹے کی مڈبھیڑ اور زین الملوک کا نابینا ہونا

تقدیر سے شاہزادہ و شاہ	آتا تھا شکارگاہ سے شاہ

	ریحان	نسیم
	باہم ہوے دو بدو سر راہ	نظارہ کیا پسر کا ناگاہ
	جب شاہ نے اس پسر کو دیکھا	صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
	آنکھوں تلے آ گیا اندھیرا	بینائی کے چہرے پر نظر کی
	گویا کہ تھی اس جواں کی تصویر	مُہرِ لبِ شہ ہوئی خموشی
	اس پیر کی آنکھوں کے لئے تیر	کی نورِ بصر سے چشم پوشی

علاج کے لئے دوڑ دھوپ

	ریحان	نسیم
۵۔	سو طرح کی ہو چکی تلافی	تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور
	پہنچا نہ ادے علاج کافی	بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
	عاجز ہوئے سارے تجربہ کار	
	حاصل نہ ہوئی شفائے بیمار	
۶۔	تھا اک طبیب سن رسیدہ	تھا ایک کحال پیر دیرین
	دانائے جہان زمانہ دیدہ	عیسیٰ کی تھیں اس نے آنکھیں دیکھیں
	آیا جو پے علاج سلطان	وہ مرد خدا بہت کراہا
	کہنے لگا یوں کہ شاہ دوران	سلطان سے ملا کہا کہ شاہا
	ہے ایک دوا بہت مجرب	ہے باغ بکاؤلی میں اک گل
	سب سہی مگر ملے ہے وہ کب	پلکوں سے اسی پہ مار چنگل
	اے سرور حدیقہ تجمل	
	کہتے ہیں اُسے بکاؤلی گل	

	ریحان	نسیم
	کر دیتی ہے کور کو وہ بینا	
	یوں کھو گیا بو علی سینا	
۷۔	القصہ وہ چاروں ہی برادر	دو ہاتھ مین چاروں اس نے لوٹے
	مدتے ہوے بیسوا کے گھر پر	پنجے مین پھنسے تو چھکے چھوٹے
	وان آیا جو بیسوا کا سر کوب	ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے کی چوٹ
	نقارہ پہ زور سے جڑی چوب	نقارۂ چوب مین چلی چوٹ
	معمول تھا یہ کوئی جو آتا	
	چوب ایک نقارہ پر لگاتا	
	تھا یہ تو بڑا گھمنڈ والا	
	نقارہ کو دھر کے پیٹ ڈالا	
	ایسا کہ جو کانپ اٹھی حویلی	
	اور چونک پڑی وہ بیسوا بھی	
	اندر سے نقارہ کی سن آواز	
	کرنے لگی اپنے جی مین انداز	
	معلوم نہین یہ کون آیا	
	معمول سے کیون سوا بجایا	
۸۔	چٹ پٹ لگی چٹکیان بجانے	وہ چشم و چراغ بیسوا کے
	چوبے کو اشارون میں بلانے	کرنے لگے تاک جھانک آکے

ریحان

شہ کی جو تھا آستین مین راسو
چٹکی کی صدا جو پہونچی اسکو
غرایا وہ آستین کے اندر
چوہا وہین دب گیا جو ڈر کر
۹- اک دن بزبان خود ہو گویا
کی شاہ سے عقد کی تمنا
۱۰- جاناہی اگر ہے تم کو جانا
تو بہرِ خدا شتاب آنا
حق حافظ حال ہے سدھارو
دل سونپا تمھین، تمھین خدا کو
۱۱- اور کہنے لگا کہ واہ جی واہ
یہ تو کوئی اور شے ہے واللہ
۱۲ ہمشیر یہ میری ہے امانت
رکھنا تو اسے بہ مہر و شفقت
۱۳ جب تاج نے دیکھا وہ سراپا
سو دل سے ہوا پری پہ شیدا
بس کھو دیا صبر و طاقت و تاب
تھا جس پہ ہنوز فتنہ در خواب

نسیم

نیولا وہ کہ مار آستین تھا
چٹکی کے بجاتے ہی وہین تھا
بی تو چراغ پا تھی خاموش
بل ہو گیا موش کو فراموش
لونڈی ہون نہین عدول مجھکو
خدمت مین کرو قبول مجھکو
یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ لو جان
جاتے ہین کہا خدا نگہبان
....
....
کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
اے آدمی زاد واہ وا واہ
پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد
رکھیو اسے جس طرح مری یاد
سوچا کہ یہ زلف کف مین لینی
ہے سانپ کے منہ مین انگلی دینی
یہ پھول انھی اژدہون کا ہے من
یہ کالے چراغ کے ہین دشمن

ریحان

چاہے تھا کہ جی سے ہاتھ دھوکر
جا گر پڑے بے تحاشا اس پر
یاد آئی اسے پدر کی حالت
پھر آگئی دل مین استقامت
کہنے لگا کچھ نہین ہے یہ کام
معیوب ہے اس جگہ یہ اقدام
تجھ پاس ہے ایک کی امانت
مردون سے بعید ہے خیانت
گر تو نے یہ اس جگہ کیا کام
تو باپ کو ہو چکا بس آرام
بس لے کے انگوٹھی اس پری کی
پہنا دیا جھٹ انگوٹھی اپنی
لے ہاتھ مین گل و نگین وہ حاصل
نکلا تو سہی پہ رہ گیا دل
۱۴- جس وقت سیاہ دزد شب کا
شحنہ سے سحر گی کے دبکا

نسیم

گل چین کی ہنسی نہ ہوئے بالکل
خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھین گے ہے جو زندگانی
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی
انگشتری اپنی اس سے بدلی
مہر خطِ عاشقی سند لی
گل ہاتھ مین مثل دست بیضا
اُس نقب کی آستین سے نکلا
گلچین نے وہ پھول جب اڑایا
اور غنچۂ صبح کھل کھلایا

ریحان

روشن ہوئی شرق سے سحرگاہ
نکلا شہِ خاوری کا خرگاہ
اٹھ بیٹھی بکاؤلی پلنگ پر
مانند طلوع مہر خاور
جس جا کہ نہ ہو صبا کو جرأت
لیجائے چرا کے گل کو نکہت
مقدور نہین کہ کوئی بلبل
اس باغ مین ہووے عاشقِ گل
یان اور کو ہو گزر یہ معلوم
ہو گل سے جہان نسیم محروم
بے آدمی کیا بساط کیا مال
جلتے ہین یہان فرشتہ کے بال
جب ہاتھ ملایا ہوگا ہیہات
باقی رہی ہوگی کونسی بات
اے کاش اسے پکڑنے پاتی
کیا کیا مزے چوری کے چکھاتی

نسیم

وہ سبزۂ باغ خواب آرام
یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
جاگی مُرغِ سحر کے غل سے
اٹھی نکہت سی فرشِ گل سے
اپنوں مین سے پھول لے گیا کون
بیگانہ تھا سبزہ کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا
اوپر کا تھا کون آنے والا
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات
خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
وہ ہاتھ لگے کہین خدایا

---

(۱۵)

ریحان	نسیم
فی الفور چلی تلاش کرنے	کہتی تھی پری کہ اڑ کے جاتی
دل پھول کے چور کو پکڑنے	گلچین کا کہین پتہ لگاتی

ریحان

ہر جا اُسے ڈھونڈتی چلی وہ
کوچہ کوچہ گلی گلی وہ
وہ ڈھونڈھ چکی جہان سارا
سارے عالم کو چھان مارا
دوڑی گئی بے تحاشا ہوکر
جا گر پڑی تاج کے قدم پر
محمودہ کو دیکھ وہ پری رو
کہنے لگی شہ سے مضطرب ہو
یہ کون ہین کیا ہے ان کی تعریف
کچھ کیجئے بیان وصف توصیف
اس نے کہا اے نگار دلجو
کچھ پوچھ مت آپ کی صفت کو
ہے ان کی صفت بیان سے خارج
اوصاف مری زبان سے خارج
اس ملک مین ان کی ہی بدولت
مری رہی زندگی سلامت
گر ان کی نہ ہوتی درمیان ذات
ہرگز نہ برآتے میرے حاجات

نسیم

ہر باغ مین پھولتی پھری وہ
ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختہ مین مثل باد جاتی
اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی
چار آنکھین ہوئین تو تھی تماشا سا
قدمون پہ گری وہ سایہ آسا
صدقے ہو کر کہا خوش آئے
جس گل کی ہوا لگی تھی لائے
ہمراہ یہ کون دوسری ہے
سایہ ہے کہ ہم قدم پری ہے
بولا شہزادہ شکر ہے ہان
پُر ہے گلِ آرزو سے دامان
محمودہ نام ہین جو یہ ساتھ
پھول ان کے سبب سے آگیا ہاتھ

(باقی)

سیام کے مسلمان

از

جناب طاہر و لاز حسین صاحب ناظم جمعیۃ الاسلام بنکوک سیام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سیام میں مدت سے ہندوستانی مسلمان تاجرانہ حیثیت سے مقیم ہیں، بمبئی، گجرات، بڑودہ، پنجاب، یوپی، سرحد، مدراس، وغیرہ صوبوں کے مسلمان ہیں، پٹھان مسلمان تو پہرہ داری کا پیشہ کرتے ہیں، ان میں تاجر بہت کم ہیں، مگر عزت سے زندگی گذار رہے ہیں، ہندی مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تک پہنچتی ہے، شیعہ سُنی کے امتیازی ناموں سے یہاں کے مسلمان عموماً بیزار ہیں، مسلمان کی حیثیت سے آپس میں ملتے ہیں، شادی غمی میں بلا تفریق دل سے شریک ہوتے ہیں، جمعیۃ الاسلام کے نام سے بارہ سال سے ایک انجمن سیام میں قائم ہے، جس میں مختلف خیال کے مسلمان متحد ہیں، سب صوبوں کے مسلمانوں کے نمایندے اس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہیں، جمعیۃ الاسلام کے پیش نظر ہندوستان سے باہر رہنے والے مسلمانوں میں دینی اسپرٹ قائم کرنا ایک اہم مقصد ہے، اس مقصد میں جمعیت کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے، سیام میں مسلمان تقریباً دس لاکھ اور پوری آبادی میں چھ فی صدی ہیں، ان میں غلط وطنیت کا جذبہ ضرورت سے زیادہ نمایاں ہے، اسلامی ناموں سے سیامی حکومت کی جانب سے کسی زمانے میں ناراضی ظاہر کی گئی تھی، مقامی مسلمان

نام تک بدل ڈالنے کے لئے تیار ہوگئے، چنانچہ مسلمان افسروں میں سے اکثروں کے نام اسلامی نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پہچاننا مشکل ہے، اب سے تین سو سال پہلے عرب مسلمانوں کا کوئی وفد سیام آیا تھا، اُس نے یہاں کے راجہ کو دعوتِ اسلام دی تھی، راجہ نے تو اسلام قبول نہیں کیا مگر عوام میں سے چند اسلام کے گرویدہ ہوگئے، حسن اتفاق سے چند صوفیہ بھی اسی زمانہ میں آئے، اُن کے روحانی فیوض سے اشاعت اسلام میں تیزی ہوئی، جنوبی سیام میں مسلمان زیادہ ہیں، اور چونکہ ملایا سے قریب ہیں، اس لئے سیامی زبان کے ساتھ ساتھ ملائی زبان بھی جانتے ہیں، خود شہر بنکوک میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ہیں، اور اسّی سے اوپر مساجد ہیں، اکثر مسلمان کاشتکار اور دستکار ہیں، لکڑی کے تاجر بھی چند ہیں، وہی خوشحال ہیں، چند حاجی بھی جابجا نظر آتے ہیں، ہندوستانی مسلمان جس طرح حج کرکے فوراً وطن واپس آجاتے ہیں، اس طرح سے سیامی حاجی واپس نہیں آتے، بلکہ دس دس پندرہ پندرہ برس حجاز میں قیام کرتے ہیں، اور سیام کے عام مسلمان ان کے سفر حج کے موقع پر اور اُن کے زمانۂ قیام میں بھی ان کی مدد کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اس طرح کے اچھے خاصے تعلیم یافتہ ملک بھر میں جابجا پھیلے نظر آتے ہیں، تعلیم یافتہ سیامی مسلمان عربی زبان پر کافی عبور رکھتے ہیں، اگر کوئی نووارد مسلمان عربی داں ہو تو تبادلۂ خیالات میں بڑی سہولت ہوتی ہے، ہندوستانی نسل کے مخلوط مسلمان بھی کہیں کہیں شاذونادر نظر آتے ہیں، چونکہ ان میں ہندوستانی خون ہوتا ہے اس لئے وہ ہندوستانیوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھتے ہیں، مگر نسوانی آزادی قابلِ اصلاح ہے، لباس میں کوئی تمیز مسلم وغیر مسلم میں نہیں ہے، مساجد میں اسلامی لباس میں ان نوجوانوں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے جن میں سے بہتوں کو باہر غیر مسلم سمجھے ہوئے تھے، جمعیۃ الاسلام کی کوشش ہے کہ سیامی مسلمان اسلامی نقطۂ نظر سے اپنی پوزیشن سنبھالنے لگ جائیں، اور بیرونی مسلمانوں سے روابط و تعلقات قائم کریں، سیامی مسلمانوں میں الاصلاح نامی ایک انجمن اصلاحی کام کر رہی ہے، غنیمت ہے کہ اس انجمن کے ارکین شوق سے اور سمجھ کر کام کر رہے ہیں، یوں تو برائے نام اور دوسری انجمنیں بھی قائم ہیں، سب انجمنوں کی شرکت سے ایک مرکزی

انجمن کے قیام کی تحریک جمعیۃ الاسلام کی جانب سے کی گئی ہے جو امید ہے کہ کامیاب ہو جائے گی، اس سے انشاء اللہ آیندہ سیامی مسلمان بہت کچھ کام آسانی سے کر سکین گے،

ہندوستانی نسل کے مسلمان بچون کے لئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہین ہے، اور وہ مجبوراً سیامی اسکولون مین تعلیم پاتے ہین، اس طرح سیامی طرز بود و باش کے عادی ہو گئے ہین، ناواقفیت کے سبب اسلامی طرز سے ناآشنا ہین، جمعیۃ الاسلام کا ارادہ ہے، کہ ایک انگریزی اور عربی دان نوجوان عالم کو ہندوستان سے بلا کر اس کے ماتحت ایک مدرسہ چلایا جائے، چنانچہ ابھی سے اس مدرسہ کی بنیاد پڑ گئی ہے،

آپ سے ہماری استدعا ہے، کہ سیام مین تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داریون کو سنبھالنے کے قابل مذکورالصدر اوصاف سے متصف کسی نوجوان عالم کی ہمین اطلاع دین، یہان آنے کے بعد سیامی زبان پر دسترس حاصل کر لینا بہت آسان ہے، چند سال پیشتر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کے ایک شاگرد اور شانتی نکیتن کے تعلیم یافتہ سوامی ستیانند پوری نام ایک آدمی یہان آیا تھا، اور قلیل زمانے مین سیامی زبان مین مہارت حاصل کر کے یہان کے لوگون مین کافی مقبولیت پیدا کر لی تھی، راجہ تک کے یہان اس کا رسوخ بڑھ گیا تھا، اس نے اچھی اچھی کتابین سیامی زبان مین لکھنا شروع کر دی تھین، لیکن مسلمانون کے خلاف در پردہ سازش بھی کر رہا تھا، جاپان کے غلبہ کے زمانہ مین جاپان جاتے ہوئے ہوائی حادثہ سے ہلاک ہو گیا، ہم چاہتے ہین کہ مسلمانون مین اس قسم کے آدمی نکل آئین، جو سیام کے لوگون اور ہندوستانی الاصل مسلمان نوجوانون کو سنبھالین، ہماری حوصلہ افزائی کے لئے آپ کی ہدایات ضروری ہین، اور ہم کو توقع ہے کہ آپ سیام کے دورافتادہ ہندوستانی مسلمانون کو خبرگیری و دستگیری سے محروم نہ فرمائین گے، جمعیۃ الاسلام کے ماتحت ایک لائبریری کھولی گئی ہے، ہم چاہتے ہین، کہ وہ تمام اسلامی رسائل اور کتابین جو ہندوستان کی مختلف زبانون مین شائع ہوتی ہین، ان کو منگائین، اس سلسلہ مین بھی آپ کی مدد کے منتظر ہین،

ادبیات

سیل تخئیل

از جناب شفق جوالاپوری

ہر اک نقش بر آب ہر چیز فانی
مگر عشق کا ہر نفس جاودانی

رہی جوہر و عرض کی سرگرانی
مگر آپ اپنی حقیقت نہ جانی

محبت کا قصۂ جنون کی کہانی
کسی نے نہ سمجھا کسی نے نہ جانی

بھڑکتے ہین شعلے سے قلب و جگر مین
نہ پوچھو کہ کیا شے ہے سوز نہانی

بجز اشک حسرت بجز نقش حیرت
محبت کی کس سے ہوئی ترجمانی

مٹایا مجھے کاہش غم نے لیکن
نشان بن گئی خود میری بے نشانی

خلش جنون مین سکون آ چلا تھا
مزا دے گئی اور ہی بدگمانی

کوئی راز بے تابی دل نہ سمجھا
بہت چشم حسرت نے کی خونفشانی

ہجوم حوادث مصائب کے طوفان
انھین سے عبارت ہے کیا زندگانی

تری ہر صدا باعث ساز و نغمہ
تری ہر ادا رقص حسن و جوانی

مرے سیل تخئیل کا ہے یہ عالم
کہ جیسے پہاڑی ندی کی روانی

شفق میرے ساقی کا فیض نظر ہے
یہ گل ہائے معنی، یہ رنگین بیانی

گلبانگِ سرخوشی

از جناب سید انور کرمانی

یسر کہاں اُن کو یہ درد دوری — فرشتے تیرے گو ہیں نوری حضوری
ادب شرطِ اول ہے راہ وفا میں! — جنون کے لئے موت ہے بے شعوری
تڑپ دل کی تاثیر حسن نظر ہے — متاعِ گرانمایہ ہے ناصبوری
یہی تیر مستی، یہی سترِ ہستی! — دوام آگہی ہے مع اللہ حضوری
حجابِ تعین اٹھا دے نظر سے — کہانی نہ رہ جائے دل کی ادھوری
فریبِ نظر ہیں، حجاب آفریں ہیں — یہ آنی یہ فانی، یہ خاکی یہ نوری

حشرِ جذبات

از ثاقب کانپوری

جب سے بے تابیٔ حیات گئی — میں نے سمجھا کہ کائنات گئی
دل میں اک ٹیس سی جو ہوتی تھی — عشق کے ساتھ اب وہ بات گئی
درد ہی سے تھی زندگی معلوم — یہ گیا ساری کائنات گئی
ختم قصہ نہ ہو سکا دل کا — اس فسانے میں ساری رات گئی

محو جلوہ ہوں رات دن ثاقبؔ
جب سے شرطِ تعینات گئی

بابُ التقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاد ادب دار العلوم ندوۃ لکھنؤ

جس طرح انسانی زندگی کا ہر شعبہ بدلتا رہتا ہے یہی حال زبان کا بھی ہے، دنیا کی تمام زبانیں مختلف عوامل و اسباب کی بنا پر بدلتی رہتی ہیں، عربی زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، گو عربی زبان میں عجمی الفاظ کے استعمال کی مثالیں اسلام سے قبل عہد جاہلیت سے ملتی ہیں، مگر یہ الفاظ بہت تھوڑے ہیں اور ان ہی قبائل کی زبان میں پائے جاتے ہیں، جو حکومت ایران یا حکومت روم کے زیر اقتدار علاقہ کے قریب آباد تھے، یا ان شعرائے عرب کے کلام میں ملتے ہیں جو عجمی درباروں سے وابستہ تھے، جیسے اعشیٰ اور عدی بن زید العبادی وغیرہ کا کلام، عام عرب شعراء کا کلام اور عرب قبائل کی زبان عجمی الفاظ اور عجمی اسلوب ادا سے پاک تھی، قرآن شریف میں بعض لغویوں کے نزدیک، فارسی، سنسکرت یا حبشی کے جو الفاظ ہیں، وہ عربی زبان میں اس طرح مل گئے تھے کہ ان کی حیثیت عجمی نہیں رہی تھی اور وہ عربی الفاظ بن گئے تھے، تاہم ان کی تعداد بہت کم ہے،

طلوع اسلام کے بعد عربوں کی زندگی میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا جس کے اثر سے اس کی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا، زبان بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہی اور عربی زبان میں سیکڑوں الفاظ جدید مفہوم میں بولے جانے لگے، ان کا قدیم مفہوم متروک یا مغلوب ہو گیا، صلوٰۃ، زکوٰۃ،

عوم اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ پہلے سے موجود تھے، مگر ان معانی مین نہین بولے جاتے تھے، جن مین ظہور اسلام کے بعد بولے جانے لگے، قرآن کریم اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور معجزانہ بلاغت سے طبیعتون مین جو نرمی، اخلاق مین جو بلندی اور کردار مین جو پختگی پیدا ہوئی اس کا اثر زبان پر بھی نمایان ہوا، کیونکہ انسان کی زبان اس کے اخلاق کا آئینہ ہے، قرآن کریم کی روزانہ تلاوت، پانچ وقتون کی نماز مین اس کی قرأت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلیغ و حکیمانہ گفتگو کا اثر صحابۂ کرام کی زبان پر خصوصًا اور عام مسلمانون کی زبان پر عمومًا الفاظ کی سلاست، ترکیبون کی چستی اور جملون کی جامعیت کی شکل مین ظاہر ہوا، جس کا اندازہ صحابۂ کرام کے خطوط، خطبون اور جاہلیت کی تقریرون کے موازنہ سے ہو سکتا ہے، این الثریا من الثریٰ؟ اس تغیر کے باوجود عربی زبان کا قالب وہی رہا، جو جاہلیت مین تھا، مگر اسلام کا دائرہ جس قدر پھیلتا گیا، اور عرب کے دور افتادہ قبائل جیسے جیسے حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، زبان مین بھی تغیر ہوتا گیا، اور مختلف قسم کی لسانی اور صوتی غلطیان کرنے والے قبائل کا جب ایک دوسرے سے میل جول بڑھا، تو وہ غلطیان جو مخصوص علاقون مین محدود تھین، عام ہونے لگین، مگر یہ صوتی عیوب[1] جو بنی تمیم، ہذیل، اہل یمن اور دوسرے قبائل کی زبان مین پائے جاتے تھے ان کا عربی زبان کی اصل ہیئت اور مخصوص ساخت یا اسلوب ادا پر کوئی اثر نہین ہوا،

بنی امیہ کی حکومت خالص عربی حکومت تھی، اس لئے اس کے زمانہ مین عربی عصبیت کے ساتھ عربون کی دوسری خصوصیتین بھی باقی تھین، حکومت کے تمام عہدون پر عرب تھے، فوج سے لیکر

---

[1] بنی تمیم اگر کسی لفظ کے شروع مین ہمزہ ہوتا تو اسے عین سے بدل دیتے تھے، مثلاً اسلم کو عسلم کہتے تھے، اس عیب کو عنعنہ کہا جاتا ہے، ہذیل ح کو عین سے بدلتے تھے، اس کو فحفحہ کہا جاتا ہے، قضاعہ کلمہ کے آخر مین یاے مشدد کو جیم سے بدلتے تھے، اس کو عجعجہ کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ اور دوسرے تغیرات بھی تھے، المزہر سیوطی جلد ۱ ص ۱۰۹، تاریخ ادب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان جلد ۱ ص ۵۴،

دیوانی و قضا کے تمام بڑے اور چھوٹے منصب عربون ہی کے ہاتھون مین تھے، قرآن کریم کی بلاغت نے آغاز اسلام مین گو عربون کی توجہ شاعری کی جانب سے پھیر دی تھی، مگر اموی عہد مین پھر شعر و شاعری کی محفلین گرم ہوگئی تھین، عکاظ کا بازار گو ماند پڑ گیا تھا، مگر اس کی جگہ کوفہ و بصرہ کے بازار لگ گئے تھے، جہان جریر و فرزدق کی ہجوگوئی، تغزل اور فخریہ اشعار پر مباحثہ ہوتا تھا، انہی بازارون مین ابوالنجم اور الراعی جیسے رجزگو شعرا، داد سخن دیا کرتے تھے، جمیل، عمر بن ربیعہ، کثیر عزہ، ذوالرمہ اور مجنون جیسے شعرا اپنے ترانون سے خوش عیش اور بے فکر نوجوانون کا دل بہلایا کرتے تھے، بنی ہاشم اور بنی امیہ کی سیاسی کشمکش، خوارج اور دوسرے فرقون کے نزاعات سے عربی زبان مین خطابت، شاعری اور انشا کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہر فریق نے نقلی و عقلی دلائل کے ساتھ زبان و قلم کے اسلحہ بھی سنبھالے، ان کی دعوت کی زبان بلیغ اور ان کا اسلوب بیان موثر و دلکش ہوتا تھا، اس طرح اس سیاسی کشمکش نے زبان کو بہت فائدہ پہنچایا، اموی دور مین اہل عجم گو اسلام قبول کر چکے تھے، مگر ان کا غلبہ و استیلا نہین ہوا تھا، اس لئے ان کے میل جول سے نہ زبان کا قوام بگڑا، اور نہ خالص ادبی اور لغوی نقطۂ نگاہ سے اس کا قالب بدلا، مگر عباسی حکومت چونکہ عجمیون کی قوت بازو اور ان کی امداد سے قائم ہوئی تھی، اس لئے شروع ہی سے اس مین عجمی عنصر داخل ہو گیا تھا، اور رفتہ رفتہ حکومت کے تمام شعبون پر چھا گیا، عربی ان عجمیون کی مادری زبان نہ تھی، بلکہ انھون نے اسکو سیکھا تھا، اس لئے ان کی گفتگو عجمی الفاظ، عجمی اسلوب ادا سے لبریز ہوتی، عجمی لونڈی اور غلامون کی کثرت اور عجمیون سے ازدواجی تعلقات کا شہرون کی زبان پر گہرا اثر پڑا، خلفا، امرا اور رؤسا کی محلسرائین عجمی نژاد مردوزن سے آباد تھین، عربون اور عجمیون کے درمیان ازدواجی تعلقات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ امین الرشید کی ماں کے سوا تمام عباسی خلفاء کی مائین عجمی نژاد تھین، ان کی گودون مین پلے ہوئے خلفا، رؤسا اور امرا کی زبان کا جو حال ہوگا، اس کا اندازہ مشکل نہین، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عباسی عہد مین غیر عربی الفاظ کا نہ تھمنے والا سیلاب آنے لگا،

غیر عرب قومون کے قبول اسلام سے عربی صرف عربون کی زبان نہین رہی تھی، بلکہ وہ تمام عالم اسلام کے مسلمانون کی مذہبی اور بہت سے غیر عرب ممالک کی تمدنی اور مادری زبان بھی بن گئی تھی، اس وسعت اور پھیلاؤ سے جہان عربی زبان کے طریقۂ ادا مین تنوع، اسلوب بیان مین دلکشی اور تاثیر اور بہت سے تمدنی افکار و خیالات ادا کرنے کی زبان مین صلاحیت پیدا ہوگئی تھی، وہان ادبی اور لسانی حیثیت سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا، کہ بہت سے غیر عربی الفاظ جن کے معانی ادا کرنے کے لئے خود عربی مین الفاظ موجود تھے، زبان مین داخل ہوگئے، رفتہ رفتہ ان الفاظ نے اصل عربی کی جگہ لے لی، اور بہت سے عربی الفاظ خود اہل عرب بھول گئے، خالص عربی الفاظ کو عجمیون کے اختلاط سے عرب بھی غلط طریقہ پر ادا کرنے لگے، اس افراتفری سے عربی زبان کا مزاج بگڑ گیا اور اس کی اصل ہیئت و ساخت مین نقص پیدا ہوگیا، اسی بنا پر دوسری صدی ہجری کے اخیر تک تو عرب کے شہرون کی زبان قابل اعتبار اور مستند رہی، لیکن اس کے بعد اہل لغت نے ان کی زبان کو پایۂ اعتبار سے ساقط کردیا، البتہ عرب کے بدوی قبائل کی زبان عجمیون سے عدم اختلاط کے باعث محفوظ تھی، اور چوتھی صدی ہجری تک جزیرۂ عرب کے بدوی قبائل صحیح اور فصیح زبان بولتے تھے، اسی وجہ سے خلفاء عباسیہ اپنی اولاد کو فصیح زبان سیکھنے، ان مین صحیح لسانی ملکہ اور ذوق ادب پیدا کرنے کی غرض سے فصیح قبائل مین بھیج دیا کرتے تھے، چوتھی صدی ہجری جو علوم و فنون کی تدوین، مصنفین و مولفین کی کثرت اور ادب و انشاء کے کمال اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے عربون کا عہد زرین سمجھا جاتا ہے، لسانی و لغوی اعتبار سے انتہائی انحطاط کا زمانہ ہے، شہرون کی زبان کا مزاج تو دوسری صدی ہی سے بگڑنے لگا تھا، اور سوائے ادباء شعراء اور اہل علم کے عام عربون کی زبان اسی زمانہ مین بگڑ گئی تھی مگر چوتھی صدی ہجری کے بدوی قبائل عرب کی زبان بھی ناقابل اعتبار ہوگئی کیونکہ عجمیون کا غلبہ ہر جگہ ہوگیا تھا، اور تمدن کے ہمہ گیر اثر سے دیہات بھی محفوظ نہ رہ سکے، چوتھی صدی ہجری کے بعد عربی زبان کا جو توازن بگڑا تو بگڑتا ہی چلا گیا، حجاز، نجد، عراق، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، مراکش، اور دوسرے عربی بولنے والے ممالک کی زبان بھی الفاظ، غیر عربی اسلوب ادا،

نیز صوتی نقائص سے ایسی خراب ہوئی کہ اسے فصیح عربی سے کوئی مناسبت باقی نہ رہی، حق تو یہ ہے کہ اگر قرآن کریم نازل نہ ہوا ہوتا، جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، تو عربی زبان بھی دوسری سامی زبانون کی طرح تاریخ کی ایک مردہ زبان ہوجاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کو تحریف و تغیر سے محفوظ رکھنے کے اسباب مہیا کئے، اسی طرح اس کی لسان مبین کو بھی حوادث روزگار کے ہاتھون مٹنے سے بچا لیا، نزول قرآن کے بعد ہی سے صحابۂ کرام کو جب کسی آیت یا لفظ کے سمجھنے مین دقت پیش آتی تو کلام عرب کی طرف رجوع کرتے، اور اس لفظ کے معنی کو اس کے محل استعمال سے متعین کرتے، اس طرح کلام مجید اور احادیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ مین علماء کی توجہ عربی زبان کی طرف ہوئی، اور قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے طفیل مین عربی زبان کے الفاظ جمع کرنے اور انکے معنی لکھنے کی داغ بیل پڑی، چنانچہ دوسری صدی ہجری مین باضابطہ لغت کی تدوین کا آغاز ہوا، اور خلیل بن احمد (متوفی ۱۸۰ھ) نے فن لغت مین کتاب العین کو مخارج حروف کے لحاظ سے مرتب کرنے کا کام شروع کیا، اور اسی دوسری صدی مین خلیل کے ہم عصر اور شاگرد مورج سدوسی (متوفی ۱۹۵ھ) نے غریب القرآن پر کتاب لکھی جو نایاب ہے[1]، اصل مین لغت کے جمع و ترتیب کا کام تیسری صدی مین کم اور چوتھی مین زیادہ ہوا، ابو عالی قالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب البارع اور ابو غالب المعروف با بن تیانی (متوفی ۴۳۶ھ) کی کتاب الموعب، چوتھی پانچوین صدی ہجری مین فن لغت مین بہت اچھی سمجھی جاتی تھین[2]، مگر دونون نایاب ہین، البتہ کتاب البارع کے کچھ متفرق اوراق پیرس[3] کے کسی کتب خانہ مین موجود ہین، ابن درید (متوفی ۳۲۱ھ) کی کتاب الجمہرۃ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جس کا زمانہ ابو عالی قالی کی کتاب البارع سے مقدم ہے، اس فن پر بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے، اس کے بعد انہی کتابون

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان جلد ۲ ص ۳۱۱ [2] مقدمہ تاج العروس ص ۱۲۰، [3] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، جرجی زیدان جلد ۲ ص ۳۱۱،

کو پیش نظر رکھ کر قزاز (متوفی ۴۱۲ھ) نے جامع، جوہری (المتوفی ۳۹۳ھ) نے صحاح اور ابن فارس متوفی ۳۹۰ھ)
نے مجمل لکھی، البتہ اس فن پر آخری تصنیف ابن سیدہ اندلسی (متوفی ۴۵۸ھ) کی کتاب المحکم سمجھی جاتی ہے، اس کی دوسری تصنیف کتاب المخصص
اس فن پر بہت ہی عمدہ اور بے مثال تصنیف ہے، اس کی ترتیب حروفِ تہجی کی ترتیب کے بجائے فقہ لغت کے
اصول پر معانی کے لحاظ سے ہے، اس لئے عام علما و طلبہ اس سے کم مستفید ہوتے ہیں، اس کے بعد لغت
کی تدوین و ترتیب کا کام برابر جاری رہا، آخر میں جمال الدین ابن منظور (المتوفی ۷۱۱ھ) کی لسان العرب
اپنی جامعیت کے لحاظ سے اس فن کی تمام دوسری کتابوں سے زیادہ اہم ہے، اور سب سے اخیر میں صاحب
تاج العروس شارح قاموس نے گذشتہ تمام معاجم کو پیشِ نظر رکھ کر شرح قاموس مرتب کی،

لغت کے جمع و ترتیب کے اس اجمالی ذکر سے تدوین لغت کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے،
بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے، کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں
کی توجہ اس فن کی طرف ہوئی، اور چونکہ مسلمانوں کے تمام اسلامی علوم و فنون کا محور قرآن حکیم رہا ہے،
اس لئے غریب و مشکل الفاظ کو حل کرنے کے لئے فنِ لغت، اس کی قرأت کی تصحیح کے لئے علم نحو اور اس سے
مسائل استنباط کرنے کے لئے علم فقہ کی داغ بیل پڑی، اسی طرح اور بہت سے علوم کا آغاز بھی قرآن حکیم
سے ہوا، ایک طرف علماء لغت نے دوسری صدی ہجری سے لغت کے جمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا
تھا، دوسری طرف ابو اسود دؤلی بانی علم نحو کے شاگردوں نے نحو کا حلقۂ درس قائم کیا تھا، گو سیبویہ سے
پہلے لغت و نحو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے، اور علم نحو کی حیثیت مستقل فن کی نہیں تھی،

سب سے اول سیبویہ متوفی ۱۸۰ھ نے اس فن کی پہلی اور آخری کتاب لکھ کر اس فن کو مستقل بنا دیا،
یہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے ہی جزیرۃ العرب کے شہروں کی عام زبان بگڑنے لگی
تھی، چنانچہ اسی صدی سے نحویوں نے باضابطہ نحو پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں اور ادبا و لغویوں نے اغلاط
عوام پر کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی زبان کی صحت، فصاحت و

بلاغت کی حفاظت کے اسباب مہیا کر دیئے، اور اغلاط عوام پر حسب ذیل کتابیں لکھی گئیں،

۱- کتاب لحن العامۃ مصنفہ حمزہ کسائی، (متوفی ۱۹۱ھ / ۸۰۶ء)
۲- لحن العامۃ مصنفہ ابو عبیدہ، (متوفی ۲۰۹ھ / ۸۲۴ء)
۳- لحن العامۃ مصنفہ ابو عثمان المازنی، (متوفی ۲۴۸ھ / ۹۰۲ء)
۴- لحن العامۃ مصنفہ ابو حنیفۃ الدینوری (متوفی ۲۹۰ھ / ۹۰۲ء)
۵- لحن العامۃ مصنفہ ابو بکر محمد زبیدی اشبیلی تلمیذ ابو علی قالی (متوفی ۳۷۹ھ / ۹۸۹ء)
۶- لحن الخاصۃ مصنفہ ابو ہلال عسکری (متوفی ۳۹۵ھ / ۱۰۰۴ء)
۷- التکملۃ فیما تلحن بہ العامۃ مصنفہ ابو منصور جوالیقی (متوفی ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء)
۸- المعرب فیما تکلمت بہ العرب من الکلام الاعجمی مصنفہ ابو منصور جوالیقی،
اس کا صرف ایک حصہ یورپ میں چھپا ہے،
۹- درۃ الغواص فی اوہام الخواص مصنفہ ابو القاسم حریری صاحب مقامات حریری (متوفی ۵۱۶ھ / ۱۱۲۲ء) مصر اور یورپ میں چھپی ہے،
۱۰- لحن العامۃ مصنفہ ابو الفرج ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ / ۱۲۰۱ء)

مذکورۂ بالا کتابیں چھٹی صدی تک تصنیف ہو چکی تھیں، اس کے بعد ہر صدی میں اس کا
سلسلہ قائم رہا، ان کی فہرست بہت طویل ہے، ان میں حمزہ فتح اللہ مصری کا رسالۃ الترجمۃ
والتعریب اور ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد اس صدی کے آغاز کی قابلِ ذکر تالیفات ہیں،

مغربی تمدن کے اثرات سے دنیا کا کوئی حصہ محفوظ نہیں، عربی زبان بولنے والے ممالک
چونکہ ایشیا اور یورپ کے نقطۂ اتصال سے قریب ہیں، اس لئے ان پر مغربی تہذیب و تمدن اور اس
کے افکار و خیالات کا بہت زیادہ اثر پڑا، چنانچہ جب تمدن کے لوازم، ضروریات زندگی کے

سامان اور مختلف مخترعات، مشینین اور آلات، عرب ممالک مین آنے لگے، تو ان کے نئے عربی الفاظ کی ضرورت پڑی، ان کے علاوہ جدید علوم و فنون کے مصطلحات کے ترجمے کی بھی ضرورت پیش آئی، اس سے عربی مین بہت سے نئے الفاظ کا اضافہ ہوا، گزشتہ صدی ہی سے عربی مین مغربی علوم کی تصنیفات کا ترجمہ ہونے لگا تھا، اس سے ان کے طریقۂ ادا، اور اسلوب بیان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر اثر پڑا، مغربی یونیورسٹیون کے تعلیم یافتہ عرب نوجوانون کے ذریعہ جو اپنی زبان سے زیادہ مغربی زبانون پر قدرت رکھتے تھے، مغربی اسالیب عربی زبان مین داخل ہوگئے، ان مین سب سے زیادہ فرنچ کا اثر پڑا، عربی زبان کے محافظون نے اس کے برخلاف سخت تنقیدین کین، ایک طرف یہ طبقہ اس لسانی تجدد کے خلاف سخت اعتراضات کرتا تھا، دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ اس بدیسی اسلوب پر مصر تھے، ان کا مقولہ تھا کہ

"الخطاء المشہور خیر من الصواب المہجور"

قدیم عربیت کے نقیبون مین حمزہ فتح اللہ اور ابراہیم یازجی نے اخبارات و رسائل اور عام کتابون کی زبان پر سخت تنقیدین کین، حمزہ فتح اللہ مصر کے سرکاری مدارس کے انسپکٹر تھے، اس لئے انہین زبان کے عیوب و نقائص کی واقفیت کا زیادہ موقع ملا تھا، اور ابراہیم یازجی گو اخبار نویس لیکن لغوی تھے، اس لئے وہ قدیم زبان کے پرستار تھے، ان کی تنقیدون سے کسی نہ کسی حد تک زبان کی اصلاح ہوئی، اور نصاب تعلیم مین ادب و لغت کی تعلیم کا معیار بھی بہت بلند ہوگیا، مگر ضرورت تھی کہ عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد کی پوری چھان بین کی جائے، اور زبان کے بنیادی امتیازات کو باقی رکھتے ہوے، ایسے اصول وضع کئے جائیں، جن سے وقت کے ادبی مطالبات اور لسانی مقتضیات پورے ہوسکین، اور عربی زبان جدید علوم و فنون کی اصطلاحات اور دوسری چیزون مین دوسری زبانون کی دست نگر نہ رہے، ظاہر ہے کہ ہزارون الفاظ کا وضع کرنا اسالیب بیان کی تصحیح زبان

کے قدیم اصول و ضوابط مین مناسب ترمیم کرکے ان کو عصری ضروریات سے ہم آہنگ کرنا ایک فرد کا کام نہین ہے، بلکہ اس کے لئے ادبا و علمائے لغت کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت تھی، چنانچہ حکومت مصر نے اس عظیم الشان کام کی طرف توجہ کی، اور دسمبر ۱۹۳۲ء مین ایک ادبی و لغوی اکیڈمی (مجمع اللغۃ العربیۃ الملکی) کی بنیاد ڈالی گئی، اور جنوری ۱۹۳۴ء سے باضابطہ کام شروع ہوا،

اس اکیڈمی کے ۲۰ ارکان ہین، جن مین مصر، شام، عراق کے ادبا کے علاوہ یورپ کے پانچ مستشرقین بھی ہین، ان مین جدید علوم و فنون کے ماہر بھی ہین، اور عرب کے لغوی اور ادیب بھی، ان کے علاوہ بہت سے ادبا و فضلا اعزازی ارکان ہین، جو مراسلت کے ذریعہ علمی و فنی حیثیت سے رائے دیتے ہین،

اس اکیڈمی کے حسب ذیل مقاصد ہین،

۱- عربی زبان کی اصل شکل اور اس کے بنیادی امتیازات کو قائم رکھنا،

۲- نئے علوم و فنون کے لئے عربی زبان کے قدیم اصول کو پیش نظر رکھ کر اصطلاحات اور نئے الفاظ وضع کرنا،

۳- موجودہ دور کے بڑھتے ہوئے ادبی تقاضون کے مطابق ایک ایسا لغت مرتب کرنا جس مین صحیح الفاظ اور صحیح اسالیب بیان بتائے جائین، اور غلط الفاظ اور غلط طریقۂ ادا کی تصحیح کیجائے،

۴- عربی ممالک کی مقامی بولیون کی علمی تحقیق اور ان کے لہجون پر علمی اور تحقیقی بحث کیجائے،

سنہ ۳۳ء سے سنہ ۳۶ء تک اس کی آٹھ جلدین شائع ہوچکی ہین، ان کے علاوہ فنی مصطلحات کا ایک مجموعہ بھی ہے، ان مین چار جلدین اکیڈمی کے ارگن رسالہ کی ہین، بقیہ روئداد کی ہین، روئدادون مین ایک حصہ کی حیثیت قانونی ہے، یعنی علمی حیثیت سے بعض مسائل کے متعلق اکیڈمی کے فیصلے اور منظور کئے ہوے اصول و ضوابط ہین، دوسرا حصہ غیر قانونی ہے

جس مین اہل علم حضرات کی علمی و فنی بحثین ہین، اور علمی فیصلون کے متعلق کار روائیون کی تفصیل ہے،

اکیڈمی کے رسالہ (مجلۃ مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ) مین تمام منظور کردہ اصول و ضوابط، مختلف علوم و فنون سے متعلق جدید الفاظ اور عربی زبان سے متعلق مفید علمی مقالات ہین،

عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد مین بعض مناسب ترمیمین اور بعض جدید قواعد ہین، اکیڈمی نے جدید فنی اصطلاحات نیز نئے الفاظ وضع کرنے کے لئے تقریبًا سات آٹھ سب کمیٹیان بنائی ہین، جن مین ہر فن کے ماہر خصوصی شریک ہین، ان سب کمیٹیون نے علوم و فنون سے متعلق بہت سے الفاظ وضع کئے ہین، اس کے پیش نظر تین قسم کے لغتون کی ترتیب و تدوین ہے، ایک مختصر ابتدائی مدارس کے لئے، دوسرا متوسط عام لوگون کے لئے، تیسرا مفصل جس مین الفاظ کے تاریخی تغیر کو ظاہر کرتے ہوے ہر لفظ سے متعلق بحث و تحقیق ہو گی،

ان روئدادون اور رسائل کا مطالعہ ہندوستان کے اہل علم اور اونچے درجون کے طلبہ کے لئے مفید ہے آئندہ نمبر مین ان مجلات کے مضامین اور اصول و ضوابط کے متعلق خیالات پیش کئے جائین گے،

(باقی)

عائشہ رض

اُمّ المومنین حضرت عائشہ رض صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل واخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم باضافہ حواشی)

قیمت :- ؏

ضخامت :- ۲۹۰ صفحے،

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

تاجدار دو عالم مترجمہ جناب مولوی نموری جدانی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۹ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے سکہ حالی ؏ کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

عبد الرحمن عزام بک مصر کے مشہور صاحب قلم اور مشرقی و مغربی دونون علوم کے فاضل ہین، قاہرہ کی نشرگاہ سے سیرت نبوی پر انھون نے پندرہ مقالے نشر کئے تھے، جس کو بطل الابطال کے نام سے کتابی صورت مین شائع کر دیا گیا تھا، تاجدار دو عالم اسی کا ترجمہ ہے، یہ سیرت ایک خاص طرز سے لکھی گئی ہے، اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کے بجائے آپ کے اخلاق و سیرت اور اوصاف و کمالات سے آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور اخلاقی مرتبہ دکھایا گیا ہے، اور آپ کی شجاعت، جہاد، تدبیر سیاست، زہد و قناعت، حلم و بردباری، عفو و درگذر، عبدیت و بندگی، رافت و رحمت، اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کے واقعات کو نہایت مؤثر اور دلنشین انداز مین پیش کیا گیا ہے، اور آخر مین اسلامی تبلیغ اور اس کے اثرات و نتائج دکھائے گئے ہین، واقعات سب حدیث و سیرت کی مستند کتابون سے ماخوذ ہین، مغربی علوم سے متاثر سیرت نگارون مین عام طور سے یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک مصلح، ریفارمر اور محسن عالم کی حیثیت سے پیش کرتے ہین، آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور تقدس کا لحاظ کم رہتا ہے، اس کتاب مین بھی گو کہین کہین الفاظ کے استعمال مین بے احتیاطی ہو گئی ہے، تاہم بڑی حد تک اس نقص سے

پاک اور بڑی خلاص و عقیدت سے لکھی گئی ہے، مصنف نے خلق نبوی کے واقعات کو اس موثر انداز مین لکھا ہے جنھین پڑھکر ایک غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، اور مسلمان کے دل مین ایمان کی تازگی پیدا ہوتی ہے، ترجمہ بھی نہایت سلیس اور شستہ ہے، لائق مترجم نے کتاب کو اردو کے قالب مین ڈھال دیا ہے، بعض مقامات پر الفاظ کے استعمال مین البتہ لغزش ہو گئی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ قبل از اسلام بُری صحبتون اور شریر لوگون کی صحبتون مین زندگی بسر کرتے تھے، یا سختی و شرارت مین مشہور تھے، گو یہ واقعہ قبل از اسلام سے متعلق ہے، لیکن اس قسم کے الفاظ حضرت عمرؓ کے احترام کے خلاف ہین، اس مفہوم کو دوسرے الفاظ مین بھی ادا کیا جا سکتا تھا، فصاحت نبوی کے باب مین ترجمہ کے ساتھ اصل عربی عبارتون کو نقل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے کہ ترجمہ سے فصاحت کا پورا اندازہ نہین ہوتا، ان خفیف فروگذاشتون سے قطع نظر کتاب اس لائق ہے، کہ ہر مسلمان کے مطالعہ مین آئے،

فلسفۂ ایمان از مولانا سید سلیمان ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ پتہ ادارۂ دعوۃ الحق، بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی حیدر آباد دکن،

حضرت الاستاذ مدظلہ نے سیرۃ النبی جلد چہارم مین ایمان پر جو بحث لکھی تھی، اس کا ایک حصہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ معارف مین شائع ہوا تھا، اب موصوف کی مزید ترمیم کے بعد ادارۂ دعوۃ الحق نے اس کو رسالہ کی شکل مین شائع کیا ہے، اس مین قومون اور ملتون کی تعمیر و تنظیم کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کی بقا مین اُن کے بنیادی تصورات و عقائد کی اہمیت ظاہر کرکے اسلامی عقائد کی خصوصیات اور ان کی حکمتون پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ جماعتون کا وجود اور ان کی بقاء اور ترقی کا مدار خواہ وہ قومین ہون یا فرقے اور مذاہب چند ذہنی تصورات کے اذعان و یقین پر ہے، جسے اسلامی اصطلاح مین ایمان و عقیدہ اور

موجودہ اصطلاح مین کریڈ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انہی عقائد پر قومون کی زندگی اور موت کا دار و مدار ہوتا ہے، ان پر اعتقاد راسخ اور ان کے مطابق عمل سے وہ ترقی کرتی اور آگے بڑھتی ہین، اور ان مین ضعف سے زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہین، اس لئے کوئی قوم عقیدہ اور کریڈ سے خالی نہین ہے لیکن ان سب کے عقائد خالص مادی اور نسل و وطن کے تنگ دائرے مین محدود ہین، اس لئے اُن سے کسی بلند نصب العین کے حصول کی توقع اور ان مین عالمگیر بننے کی صلاحیت نہین، اور ان دونون خامیون کے تباہ کن نتائج دنیا کی نگاہون کے سامنے ہین، موجودہ دور کا شاہکار یعنی اشتراکیت کا عقیدہ تو وہ بھی خالص مادی اور اس کی بنیاد تمام تر پیٹ اور روٹی اور دولت کی مساوی تقسیم پر ہے، اور ایک خالص مادی اور محدود اقتصادی نظریہ پوری زندگی کا نظام نہین بن سکتا، صحیح عقیدہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نسل و وطن کے اندر محدود نہ ہو، بلکہ ان تفرقون کو مٹا کر عالمگیر برادری قائم کر سکے، اس کی بنیاد خالص مادی اغراض پر نہ ہو، جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہین، بلکہ ایسے اخلاق پر ہو جو انسانون کو برائیون سے روک سکے اور نیکی اور بھلائی کی تلقین کر سکے، خالق سے مخلوق کا تعلق اور ہم جنسون کے ساتھ محبت و ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کر سکے، ایسا عقیدہ صرف اسلام ہے، اور اسی پر انسانون کی دنیوی اور اُخروی فلاح منحصر ہے، اس رسالہ مین انہی امور کو علمی استدلال کے ساتھ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، اہم اسلامی عقیدۂ ایمان کی اہمیت اُس کے اجزا کی حکمتون اور اس پر یقین و عمل کے نتائج کو وضاحت کے ساتھ دکھایا گیا ہے، یہ رسالہ گو مختصر ہے، لیکن اس مین اسلامی عقائد کی حکمتون کی روح آگئی ہے،

تنقیدات از جناب ابو الاسلام نسیم صدیقی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۱۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۱۴۴ صفحات قیمت مجلد عہ پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ چپل گوڑہ، حیدر آباد دکن،

مصنف روشناس صاحب قلم ہین، اور دین و ملت کا درد اور مسلمانون کی دینی و اخلاقی اصلاح

کا جذبہ، رکھتے ہین، تنقیدات ان کے اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، اس مین حسب ذیل مضامین ہین،
نیا نظام، نیا انسان کھوٹی دھات، کھوٹے سکے، تبلیغ اسلام، اشتہاری وعظ، عمل عمل کی بے معنی پکار،
مسلمانون کی اجتماعی نفسیات، اپنی بھی عید ہوگی، ملحدین سے دو دو باتین، ملوکیت کا الزام اسلام پر،
اسلام اور جمہوریت، دعوت حق اور اقتصادی مسئلہ ہندوستان کو الٹی میٹم ان مضامین مین مسلمانون کے مروجہ
دینی مذہب ان کی اخلاقی کمزوریون غیر اسلامی زندگی، اور اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیر وغیرہ مختلف پہلوؤن پر
تیز و تند تنقیدین ہین، مصنف کے اخلاص و حسن نیت مین شبہہ نہین، ان کا دینی جذبہ لائق ستایش ہے، ان
کے خیالات اور مقصد سے کسی کو اختلاف نہین ہو سکتا، لیکن تبلیغ و اصلاح کے لئے طعن و طنز کا طریقہ کچھ
زیادہ مفید نہین، اس کا انداز حریفانہ اور مخالفانہ نہین، بلکہ دوستانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے، بعض
مضامین کا لہجہ بھی متانت سے گرا ہوا ہے، تاہم یہ کتاب اصلاحی نقطۂ نظر سے قابل قدر ہے،

رموز اقبال، از ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ، تقطیع اوسط، ضخامت ۲۸۰ صفحے،
کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد کلدار عہ، سکۂ عثمانیہ ۲/۹، پتہ:- ادارۂ نشریات اردو،
حیدرآباد دکن،

مصنف نے تعلیمات اقبال کے بعض اہم مسائل، فلسفۂ خودی، نظریۂ عقل و عشق، حدیث جبر و قدر،
عہد حاضر کے انسان اور مسلمان کی زندگی کے متعلق اقبال کے تصورات اور ان کی تشریح پر جو مضامین لکھے
رموز اقبال ان کا مجموعہ ہے، جیسا کہ فاضل مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہے، کہ ان مضامین مین دانائے راز
اقبال سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ عہد حاضر کی تہذیب نے انسان کی ذہنیت مین کیا
انقلاب پیدا کیا، اس کے تصورات، نظریات، عقائد و اقوال و اعمال مین کیا تغیر پیدا کیا، مسلمان کی زندگی
اصل مین کیا ہے، اس کے عقائد کیا ہین، اور اعمال کی نوعیت کیا ہے، عقل و عشق کا اس کی زندگی
مین کیا مقام ہے، اس کے علم کی بنیاد کیا ہے، اور ایمان پر اس کے اعمال کا انحصار کس حد تک ہے،

قرآن کریم نے اس کی خودی کا اس کو کیا علم بخشا ہے، خودی کے عرفان کے بعد مسلمان مین کیا تغیر پیدا ہوتا ہے،
یقین و عمل کے لحاظ سے کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے، اپنی حقیقت و ماہیت سے واقف ہو کر انسان کے نقطۂ نظر
مین کیا تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، خود کو فقیر امین اور خلیفہ مان کر انسان کس طرح آفاق کو اپنے اندر سمو لیتا ہے،
اور کائنات کو مسخر کر لیتا ہے، اقبال کے نازک اور دقیق مسائل کو سمجھنے کے لئے انہی کی جیسی جامعیت کی ضرورت ہے
جو کم لوگون کو حاصل ہے، اس لئے اس کی تشریح مین اچھے اچھے ٹھوکر کھا جاتے ہین، فاضل مصنف اقبال
ہی کی طرح مشرقی اور مغربی علوم کے جامع ہین، اور حکیمانہ دماغ اور فلسفیانہ ژرف نگاہی کے ساتھ دل آگاہ
اور چشم بینا رکھتے ہین، اور ان کی کوئی تحریر فلسفیانہ فکر و استدلال کے ساتھ ایمان کی لذت سے خالی نہین
ہوتی، یہ خصوصیت ان تمام مضامین مین بھی موجود ہے، بعض مباحث ایسے دقیق ہو گئے ہین، کہ خود ان
کی تشریح کی ضرورت ہے، یہ مضامین اقبالیات سے ذوق رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہین،

مولانا ابو الکلام آزاد، از جناب ابو سعید صاحب بزمی ایم اے، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۱ صفحے،
کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ اقبال اکیڈمی نمبر ۵، سرکلر روڈ بیرون موچی
دروازہ لاہور،

ابو سعید صاحب بزمی سابق اڈیٹر اخبار مدینہ نے آٹھ نو سال پیشتر ۱۹۳۳ء مین مولانا ابو الکلام کے
دولت کدہ پر ان سے کئی ملاقاتین اور مختلف سیاسی مسائل پر ان سے گفتگو کی تھی، ان ملاقاتون کا حال
انھون نے اسی زمانہ مین مدینہ مین شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی شکل مین شائع کر دیا ہے،
اس کتاب مین دو قسم کے معلومات ہین ایک تو ہندوستان اور مسلمانون کی سیاست کے متعلق مولانا کے خیالات دوسرے
ان کا نقطۂ نظر معلوم و مشہور ہے کانگریس کی تنگ نظری اور مسلمانون کی جداگانہ تنظیم کی ضرورت کے متعلق مولانا نے
جو رائے ظاہر کی ہے، وہ اگرچہ عام طور پر مشہور نہین ہے، لیکن نئی نہین ہے، اور انھون نے بارہا پرائیوٹ
صحبتون مین معتمد علیہ اشخاص سے اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہین، مولانا کی موجودہ سیاست مسلمانون کی

اکثریت کے خواہ کتنی ہی خلاف ہو، لیکن ان کے متعلق کبھی یہ تصور نہین کیا جاسکتا، کہ وہ اپنی رائے کے مطابق مسلمانون کے مفاد کو نظرانداز کرسکتے ہین، دوسرے مولانا کے متعلق مصنف کے ذاتی جذبات و تاثرات اس پہلو سے کتاب کا صفحہ صفحہ مولانا کے ساتھ مصنف کے جذبات عقیدت سے لبریز ہے، مولانا کے اوصاف و کمالات سے ان کے مخالفین کو بھی انکار نہین ہوسکتا، لیکن غلو و مبالغہ ہر چیز کو بدنما بنا دیتا ہے، جس کی متعدد مثالین اس کتاب مین موجود ہین، مثلاً "مشرق و مغرب کے بڑے بڑے دعویداران علم و فضل آتے ہین، اور اس سے (مولانا) بات کرکے جب لوٹتے ہین، تو بے اختیار پکار اٹھتے ہین، کہ ہم نے مشرق و مغرب مین اس سے بڑا فاضل کوئی نہین دیکھا" ایک جگہ لکھتے ہین "غور کیجئے دنیا کی تاریخ مین آپ نے کوئی ایسی شخصیت دیکھی ہے اس کا جواب یقیناً نفی مین ہوگا" اس قسم کا مبالغہ خود مصنف کی متانت تحریر کے خلاف ہے۔

روح صہبائی از جناب اثر صہبائی تقطیع اوسط ضخامت [illegible] صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ پتہ تاج محل بلڈنگ جمون کشمیر۔

جناب اثر صہبائی اور ان کی شاعری کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہین، روح صہبائی نیا اسم باسمی مجموعہ ہے، اس مین انھون نے مختلف عنوانون کے ماتحت علحدہ علحدہ ہر دور کا اپنا منتخب اور پسندیدہ کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کردیا ہے، اس سے ان کی شاعری کا تدریجی ارتقاء اور اس مین وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے، سامنے آجاتے ہین، مصنف کی مشق سخن پر اتنی مدت گذر چکی ہے، کہ ان کو بلا تکلف کہنہ مشق کہا جاسکتا ہے، ان کو ہر صنف پر پوری قدرت، اور ان کے کلام مین بڑی نیرنگی ہے، چنانچہ اس مجموعہ مین بلند اور پاکیزہ غزلین بھی ہین، حکیمانہ اور فلسفیانہ رباعیان بھی اور موثر و دلکش نظمین بھی، جناب اثر کی صہبائے شاعری ابتدا ہی سے پرکیف تھی، اب یہ شراب دو آتشہ ہو کر اور زیادہ تیز ہوگئی ہے، اور یہ مجموعہ تو ان کے کلام کا خلاصہ اور عطر ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہون گے،

"م"

جلد ۵۸ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء عدد ۳

مضامین

مضمون	مصنف	صفحات
شذرات	سید سلیمان ندوی	۱۶۲-۱۶۴
مقالات		
علمائے اسلام کا اخلاق	مولانا عبدالسلام ندوی	۱۶۵-۱۷۶
تیموریون سے پہلے کے صوفیۂ کرام	سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین	۱۷۷-۱۸۸
عبدالواسع جبلی	جناب غلام مصطفٰے خان صاحب ایم اے لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراؤتی برار	۱۸۹-۲۰۱
اسلامی نظریۂ سیاست	جناب مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند	۲۰۲-۲۱۶
تتمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ	مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی	۲۱۷-۲۲۲
ادبیات		
شوق دیدار	حکیم الشعراء سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی	۲۲۳
غزل	صاحبزادہ شفیق ٹونکی	۲۲۴
باب التقریظ والانتقاد		
مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ	مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوہ	۲۲۵-۲۳۵
مطبوعات جدیدہ	"م"	۲۳۶-۲۴۰